مارچ
۲۰۰۳

موسس: سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مدیر

پروفیسر خورشید احمد

ادارہ ترجمان القرآن

ماہنامہ

ترجمان القرآن

جلد ۱۳۰، عدد ۳، محرم ۱۴۲۴ھ، مارچ ۲۰۰۳ء

مدیر

پروفیسر خورشید احمد

نائب مدیر

مسلم سجاد

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور - ۵۴۵۷۰

فون: ۵۴۲۵۳۵۶ (۰۴۲)

فیکس: ۵۴۳۲۱۹۴ (۰۴۲)

E-mail: tarjuman@wol.net.pk

مدیر انتظامی

عبدالکریم

۵-اے، ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور - ۵۴۶۰۰

فون: ۷۵۸۷۹۱۶ (۰۴۲)

فیکس: ۷۵۸۵۵۹۰ (۰۴۲)

E-mail: tarjuman@pol.com.pk

www.tarjumanulquran.org

قیمت فی شمارہ: ۲۰ روپے

زر سالانہ: ۲۰۰ روپے

تاحیات: ۳۰۰۰ روپے

(بیرونی ایڈیشن: ۳۰ روپے)

بنگلہ دیش، ایران، بھارت: ۶۰۰ روپے

یورپ، مشرق وسطیٰ، مشرق بعید، افریقہ: ۹۰۰ روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا: ۱۲۰۰ روپے

زیر اہتمام: الابلاغ ٹرسٹ

دعوتِ اسلام کیا تبدیلی لائی ہے

اس دعوت کا اثر جہاں جہاں بھی پہنچا ہے' اس نے مُردہ ضمیروں کو زندہ اور سوتے ہوئے ضمیروں کو بیدار کیا ہے۔ اس کی اوّلین تاثیر یہ ہوتی ہے کہ نفس اپنا محاسبہ آپ کرنے لگتے ہیں۔ حلال اور حرام' پاک اور ناپاک' حق اور ناحق کی تمیز' پہلے کی محدود مذہبیت کی بہ نسبت اب بہت زیادہ وسیع پیمانے پر زندگی کے تمام مسائل میں شروع ہوگئی ہے۔ پہلے جو کچھ دین داری کے باوجود کرڈالا جاتا تھا وہ اب گوارا نہیں ہوتا بلکہ اس کی یاد بھی شرمندہ کرنے لگی ہے۔ پہلے جن لوگوں کے لیے کسی معاملے کا یہ پہلو سب سے کم قابلِ توجہ تھا کہ یہ خدا کی نگاہ میں کیسا ہے ان کے لیے اب یہی سوال سب سے زیادہ مقدم ہوگیا ہے۔ پہلے جو دینی حس اتنی کُند ہوچکی تھی کہ بڑی بڑی چیزیں بھی نہ کھٹکتی تھیں اب وہ اتنی تیز ہوگئی ہے کہ چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی کھٹکنے لگی ہیں۔ خدا کے سامنے ذمہ داری و جواب دہی کا عقیدہ اب احساس بنتا جارہا ہے اور بہت سی زندگیوں میں اس احساس سے نمایاں تبدیلی ہو رہی ہے۔ لوگ اب اس نقطۂ نظر سے سوچنے لگے ہیں کہ دنیا کی زندگی میں جو کچھ سعی و عمل وہ کررہے ہیں وہ آیا خدا کی میزان میں کسی قدر و وزن کی حامل ہوسکتی ہے یا محض ھَبَاءً مَّنثُورًا بن جانے والی ہے۔ پھر بحمداللہ اس دعوت نے جہاں بھی نفوذ کیا ہے بے مقصد زندگیوں کو بامقصد بنایا ہے اور صرف ان کے مقصدِ زندگی ہی کو نہیں بلکہ مقصد تک پہنچنے کی راہ کو بھی ان کی نگاہوں کے سامنے بالکل واضح کردیا ہے۔ خیالات کی پراگندگی دُور ہو رہی ہے۔ فضول اور دوراز کار دلچسپیوں سے دل خود ہٹ رہے ہیں۔ زندگی کے حقیقی اور اہم تر مسائل مرکزِ توجہ بن رہے ہیں۔ فکر و نظر ایک منظم صورت اختیار کررہی ہے اور ایک شاہ راہِ مستقیم پر حرکت کرنے لگی ہے۔ غرض بحیثیت مجموعی وہ ابتدائی خصوصیات اچھی خاصی قابلِ اطمینان رفتار کے ساتھ نشوونما پا رہی ہیں جو اسلام کے بلند ترین نصب العین کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے اوّلاً و لازماً مطلوب ہیں۔ (''اشارات''، ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ترجمان القرآن' جلد۲۲' عدد ۳-۴' ربیع الاول و ربیع الآخر ۱۳۶۲ھ' اپریل ۱۹۴۳ء' ص ۶۸-۶۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

سامراج کی لغت میں ''دوستی'' کا مفہوم

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا یہ مضمون آج سے ۸۲ سال پہلے ۲۲ جون ۱۹۲۰ء کے روز نامہ زمیندار لاہور میں شائع ہوا تھا۔ اس وقت برطانوی استعمار مسلم دنیا کے حصے بخرے کرنے میں مصروف تھا۔ آج یہی کردار امریکہ (برطانیہ کے تعاون سے) انجام دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس خطرناک کھیل کا سب سے عبرت ناک پہلو یہ ہے کہ سامراجی قوتیں مسلمانوں کو بانٹنے اور ان میں سے کچھ کو دوسروں کے تعاون یا کم از کم خاموش تائید سے مغلوب کرنے کی سعی کرتی ہیں۔ یہ کھیل ۵۰۰ سال سے کھیلا جا رہا ہے لیکن مسلمانوں کی آنکھیں نہیں کھلتیں اور جو بڑے دانش ور بنتے ہیں وہ یہ فلسفہ بگھارنے سے نہیں تھکتے کہ ہماری باری نہیں آئے گی۔ ہم ''دوستوں'' کی پناہ میں رہیں گے۔ تاریخ کا المیہ یہی ہے کہ اس سے کم ہی لوگ سبق سیکھتے ہیں۔ جو سبق سیکھ لیتے ہیں وہی محفوظ رہ سکتے ہیں۔ آج شرق اوسط کے نئے نقشے (restructuring) کا جو ڈراما رچایا جا رہا ہے وہ اس سے مماثل ہے جو سو سال پہلے دولت عثمانیہ کے ٹکڑے کرنے کے لیے کیا گیا تھا' افغانستان اور عراق اس جنگ کا پہلا مرحلہ ہیں۔ سید مودودیؒ کا یہ مضمون ان کی بالغ نظری اور تاریخی فہم کا شاہکار ہی نہیں آج کی اُمت مسلمہ کی آنکھیں کھولنے کے لیے بھی ایک تازیانے سے کم نہیں۔ یہ مضمون سید مودودیؒ نے اس وقت لکھا تھا جب وہ ۱۷ سال کے نوجوان تھے۔ (مدیر)

ایک ترک مدبر کا یہ قول کتنا صحیح اور مبنی بر حقیقت ہے کہ ''دنیا کی کسی چیز نے ترکوں کو اس قدر نقصان نہیں پہنچایا جس قدر انگریزوں کی دوستی پر اعتماد اور ان کی ایمان داری پر حُسنِ ظن نے پہنچایا''۔

۱۵۸۷ء میں جب اسپین کا بادشاہ فلپ ثانی اپنا عظیم الشان بیڑہ لے کر انگلستان پر حملہ آور ہو رہا تھا تو ملکہ الزبتھ نے سلطان مراد سے نہایت الحاح و زاری کے ساتھ مدد کی درخواست کی تھی۔

''اگر حضور والا اپنی عظیم الشان سلطنت کی پوری بحری طاقت بھیجنے پر تیار نہیں تو خدارا ساٹھ ستر ہی جنگی جہاز بھیج دیجیے تاکہ اسپین کے اس بت پرست بادشاہ کو سزا دے جو پوپ اور تمام بت پرستوں کی مدد کے غرور پر انگلستان کو تباہ کرنے کے درپے ہے اور پھر اس کا ارادہ ہے کہ انگلستان کو فتح کر کے جناب کی مملکت پر حملہ کرے اور دنیا کا بادشاہ بن جائے۔ اگر آلِ عثمان کا پُرشکوہ فرماں روا اور انگلستان کی ملکہ' اسپین کی بڑھتی ہوئی ہوس کو دبانے کے لیے متحد ہو جائیں تو نہ صرف اس کا مغرور بادشاہ' بلکہ روما کا بت پرست پوپ اور اس کے تمام گمراہ ساتھی تباہ ہو جائیں گے۔ خداوند اپنے نیک بندوں کا محافظ ہے اور وہ ضرور دولتِ عثمانیہ اور انگلستان کے ذریعے سے دنیا کو بت پرستوں کے وجود سے پاک کر دے گا''۔

اس واقعہ سے تین صدی بعد ہی جب آلِ عثمان کے اس پُرشکوہ بادشاہ کی اولاد کی حالت پر ہم نظر ڈالتے ہیں تو خدا کی قدرت کا عجیب تماشا نظر آتا ہے کہ اسی آلِ عثمان کے شہنشاہ کو اسی ملکہ الزبتھ کے فرزند درہَ دانیال لے کر' تھریس لے کر' آبنائے باسفورس لے کر اگر قسطنطنیہ میں رہنے کی اجازت دیتے ہیں تو لارڈ چمسیفرڈ کے نزدیک یہ بھی ''ان کا ایک احسان ہے''۔

کیا ہم سامراجیوں کو اپنا دوست سمجھ سکتے ھیں؟

ترکی کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا وتعزّ من تشاء وتذلّ من تشاء کی صداقت پر سب سے زیادہ مضبوط ایمان رکھنے والا ہوگا۔ ترکی کی بدقسمتی کا آغاز تو اٹھارھویں صدی سے شروع ہوگیا تھا۔ اور اس ''مردِ بیمار'' کے لیے ڈیڑھ دو سو برس پہلے سے ہی یورپ سے نکل جانے

کا نسخہ تجویز کیا گیا مگر واقعہ یہ ہے کہ ''دنیا کی کسی چیز نے ترکوں کو اس قدر نقصان نہیں پہنچایا، جس قدر انگریزوں کی دوستی پر اعتماد اور ان کی ایمان داری پر حسنِ ظن نے پہنچایا ہے''۔

پیٹر اعظم اور نکولس تو ترکوں کو یورپ سے نکل جانے کی نصیحت کرتے مر گئے۔ مگر آج الزبتھ کے فرزندوں نے محبِ شفیق اور رفیقِ صمیم بن کر انھیں نہ صرف یورپ سے بلکہ دنیا سے نکل جانے کا پیام سُنا دیا ہے۔

لیکن یہ عجیب معمہ ہے کہ ترکوں کی عظیم الشان سلطنت کو ریاستِ نظام بنا کر بھی انگریز اپنے آپ کو ترکوں کا دوست کہتے ہوئے ذرا نہیں شرماتے۔ اینگلو انڈین کو تو جب کبھی اس لڑائی اور اس تباہی کا الزام ترکوں پر رکھنا ہوتا ہے تو وہ نہایت سنجیدگی سے کہہ دیتا ہے کہ ''ہم ترکوں کے ہمیشہ دوست بنے رہے۔ مگر انھوں نے ہم سے دشمنی پیدا کی'' --- لیکن صداقت اور سچائی کے جنازے پر مجھے بہت آنسو بہانے کی ضرورت ہوئی جب میں نے لارڈ چمسیفرڈ جیسے ذمہ دار شخص کی زبان سے یہ سُنا کہ ''اس جنگ سے پہلے انگریزوں کے تعلقات ترکوں سے نہایت دوستانہ رہے ہیں''۔ تعجب ہے انگلستان کا اتنا بڑا آدمی جسے ملکِ معظم نے ہندوستان پر اپنا نائب بنا کر بھیجنے کے لائق سمجھا، اس تہذیب و تمدن کے زمانے میں ایسی شدید بے باکی سے اتنا صاف جھوٹ بول سکا۔ میں یقین نہیں کر سکتا کہ لارڈ چمسیفرڈ نے دوستی کا لفظ اسی مفہوم کے لیے استعمال کیا ہے جو اس لفظ کے لیے ہمارے دماغوں میں ہے۔ کیا کریمیا میں ساتھ دینے کے ایک دو سال بعد ہی جدّہ پر گولہ باری کرنے والے کو ہم دوست کہہ سکتے ہیں؟ کیا عہدنامہ سین سٹی فانو کی سختیوں کو کم کرانے کا وعدہ کر کے خود قبرص لینے اور آسٹریا کو بوسنیا اور ہرزی گونیا دلوانے کو ہم دوست کہہ سکتے ہیں؟ کیا محمد علی والیِ مصر کی بغاوت میں اسکندریہ پر گولہ باری کرانے اور تمام مصر پر قبضہ کرنے والے کو ہم دوست کہہ سکتے ہیں؟ یقیناً ہماری مصطلحاتِ سیاست سے ناآشنا زبان میں دوست اور دوستی کی تعریف اس سے جدا ہے۔ مگر برطانوی لغت میں دوست اسی کو کہتے ہیں جس کے بارے میں مرزا غالب نے کہا تھا ؎

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

اس دوستی کا مفہوم ہمیشہ کے لیے سمجھ لیجیے

انگریزوں کی اسی دوستی کی حیرت انگیز تاریخ اگر لکھنا چاہوں تو شاید کئی جلدوں میں تیار ہو۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ وثائق وحقائق کے دفتر سے انگریزی دوستی کی پوری تشریح کر دوں، تاکہ آیندہ اگر کسی انگریز کے منہ سے ''دوستی'' کا لفظ نکلے تو لوگوں کو اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو۔

یہاں میں اٹھارہویں صدی سے آخری جنگ روس تک کے چند واقعات پیش کرتا ہوں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ روس ابتدا سے ترکوں کا جانی دشمن رہا ہے۔ اس دشمنی کا جوش پیٹر کے بعد اس کی بیوی کتھرائن میں بہت زیادہ موجزن تھا۔ اس کو مشیروں نے مشورہ دیا کہ اب تک تو ترکوں پر بّری حملے کیے گئے تھے۔ مگر اب ایک بحری حملہ بھی کرنا چاہیے۔ چنانچہ تجویز ہوئی کہ بحیرۂ بالٹک سے یورپ کا چکر کاٹ کر بحیرۂ روم میں جہاز داخل کیے جائیں اور درّۂ دانیال پر حملہ کر کے قسطنطنیہ چھین لیا جائے۔ انگریز اس تجویز کے حامی تھے اس لیے یہ رائے قرار پائی کہ روسی بیڑہ انگلستان کی بندرگاہ میں جا کر جملہ ساز وسامان سے آراستہ کیا جائے اور کپتان اور ملاح بھی وہیں سے حاصل کیے جائیں۔ چنانچہ فوراً تیاریاں شروع ہوئیں اور روسی جہاز انگلستان پہنچ گئے۔ یہاں بیڑہ تیار کیا گیا۔ امیرالبحر انفنسٹن اور بہت سے انگریزی کپتان اس پر سوار ہوئے اور انگریزوں ہی کی مدد سے یہ جہاز اتنا طویل سفر طے کر سکے۔

انگریزی حکومت نے اسپین اور فرانس کی حکومتوں کو لکھ دیا کہ اگر ترکوں کی حمایت میں تم نے اس بیڑے کو کوئی نقصان پہنچایا تو پہلے سے اعلانِ جنگ قبول کر لو--- آخر انگریزوں کی کوشش سے یہ بیڑہ ۱۷۶۹ء میں بحیرۂ روم میں داخل ہوا۔ اور ۱۷۷۰ء کی ابتدا میں شام کے سواحل پر پہنچ گیا۔ قسطنطنیہ پر حملہ نہ کیا جا سکا۔ لیکن محض انگریز افسروں کی ہوشیاری سے نہ صرف یہ بیڑہ بچ کر نکل گیا بلکہ بندر چشمہ پر تمام ترکی بیڑہ صرف انھی کی چالاکی سے تباہ ہو گیا۔ ورنہ روسی امیرالبحر اورلوف تو تمام بیڑے کو خطرے میں ڈال چکا تھا۔

تمھارا معبود صرف پیسہ اور تمھارا مذہب صرف طمع ہے

اس جنگ کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہا۔ فرانس ترکوں کی مدد کرنا چاہتا تھا اور اس کی

خواہش تھی کہ کسی طرح ترکی کی حمایت کا موقع مل جائے مگر انگلستان کی مخالفت کا ڈر تھا اس لیے مجبوراً خاموش رہا۔

لڑائی میں برابر نقصان اٹھانے اور زیادہ طویل عرصہ تک سلسلہ جنگ جاری رہنے سے بیزار ہوکر وزراے عثمانیہ نے خفیہ طریقہ سے آسٹریا سے مصالحت کرانے کی درخواست کی۔

آسٹریا نے ابھی کچھ جواب نہ دیا تھا کہ انگریز فوراً حکم بننے کے لیے تیار ہو گئے اور ثالث بننے کی درخواست کر دی۔ انگلستان کی اس درخواست پر وزیراعظم ترکی نے جو جواب دیا ہے وہ قابلِ غور ہے۔ وزیراعظم نے لکھا:

''باوجودیکہ انگریزی جہاز اور فوجیں روسی بیڑے میں شامل ہیں انگریزوں کو ثالث بنتے ہوئے شرم نہیں آئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ثالث بن کر وہ ہم کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں''۔

اس سلسلہ کے ایک طویل مراسلہ میں وزیراعظم نے لکھا:

''دوسری عیسائی قومیں تو کچھ نہ کچھ سچی بھی ہیں۔ مگر انگریزوں کے قول و فعل کا تو کسی طرح اعتبار ہو ہی نہیں سکتا''۔

اس مراسلہ کے آخر میں اس نے لکھا ہے:

''تمھارا معبود صرف پیسہ ہے۔ تمھارا مذہب صرف طمع ہے اور بس---تم نے عیسائیت کو محض دھوکا بازی کے لیے ایک آڑ بنایا ہے جو تمھاری مکاری و بدنیتی کی پردہ دری کر رہی ہے''۔

اس حملہ کی تجویز روسیوں کی تھی اور جہاز بھی زیادہ تر روسی تھے' اس لیے مجبوراً اسے روسیوں ہی سے منسوب کرنا پڑتا ہے لیکن درحقیقت اسے انگریزی مہم کہنا چاہیے۔ کارآمد افسر انگریز تھے۔ اس زمانہ کا بہترین سامان جنگ انگریزی تھا۔ پورا سفر صرف انگریزی کوششوں سے ہوسکا اور کامیابی محض انگریزوں کی بدولت ہوئی۔ پھر اس حملہ کو انگریزی حملہ کہنے میں کون سی چیز مانع ہے۔

اعلانِ جنگ کیے بغیر آغازِ جنگ کی مثالیں

سرویا کے معاملات میں دل چسپی لینے اور برابر غاصبانہ ارادوں سے دلاشیا اور مالڈیویا کے حکام اعلیٰ سے بغاوت کراتے رہنے کی وجہ سے روس اور ٹرکی کے تعلقات نہایت کشیدہ تھے۔ روس نے جو مطالبات پیش کیے تھے وہ دلاشیا اور مالڈیویا سے ٹرکی کے اقتدار کا بالکل خاتمہ کرنے والے تھے--- انگریز اس وقت بھی روس کے ساتھی تھے یعنی لارڈ چمسیفرڈ کی زبان میں ترکوں کے ''دوست'' تھے اور روسی سفیر کے ساتھ معاملات طے کرانے کے لیے انگریزی سفیر آرتھ ناٹ بھی قسطنطنیہ آیا ہوا تھا۔ سفراء بابِ عالی سے گفتگو کر رہے تھے اور ابھی کوئی تصفیہ نہ ہوا تھا کہ روس نے بلا اعلانِ جنگ دلاشیا اور بالڈیویا پر حملہ کر دیا اور باقی صوبوں پر تصرف کر کے بلغاریہ کی طرف بڑھنے لگا۔ ظاہر ہے کہ یہ حرکت بالکل خلافِ آئین اور سخت وحشیانہ تھی۔ روسی سفیر نے بہت افسوس کا اظہار کیا اور قسطنطنیہ سے چلا گیا۔ مگر انگریزی سفیر نے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ دولتِ عثمانیہ کے سامنے چند عجیب وغریب شرطیں پیش کیں۔ مثلاً:

۱- نپولین کے سفیر کو (جو روس کے مقابلہ میں دولتِ عثمانیہ کو بہت ہمت دلا رہا تھا) قسطنطنیہ سے نکال دو۔

۲- مالڈیویا اور دلاشیا روس کو دے دو۔

۳- درّہ دانیال کے قلعے اور توپ خانہ ہمیں دو۔ ورنہ ہم قسطنطنیہ پر حملہ کر دیں گے وغیرہ وغیرہ۔

باب عالی کے وزیر خارجہ نے نہایت ضبط وتحمل کے ساتھ ان شرائط کو سُنا اور جواب دیا:

''آپ کو انصاف سے کام لینا چاہیے۔ روس نے بلا اعلانِ جنگ ہمارے ملک پر حملہ کر دیا اور برابر خلاف آئین وخلافِ تہذیب حرکات کر رہا ہے۔ مگر ہم صرف امن کی خاطر یہ سب ذلّتیں برداشت کر رہے ہیں۔ جلالت سلطانی نے دلاشیا اور مالڈویا کے باغی گورنروں کو محض امن کی خاطر بحال کرنے کی بھی ذلّت گوارا کر لی ہے۔ مگر پھر بھی روس اپنی حرکات سے باز نہیں آتا۔ لہٰذا اب ہم اعلانِ جنگ پر مجبور ہیں۔ اور ہمارے اُوپر فرض ہے کہ اپنی حفاظت کریں۔ میں امید کرتا ہوں کہ انگریز ہماری امن

پسندی اور صبر و تحمل کی ضرور قدر کریں گے۔ لیکن اگر وہ اس صریح خلاف آئین ظلم کے بعد بھی روس کی مدد پر آمادہ ہیں تو ہم مدافعت کا ارادہ کر چکے ہیں۔ اور اگر ترکی کی قسمت میں بربادی ہی ہے تو یقین رکھو کہ وہ آخر وقت تک اپنی عزت کے لیے لڑتا رہے گا''۔

اس کے بعد مزید نامہ و پیام نہایت تہدید آمیز انداز میں ہوتا رہا اور آخرکار جنوری ۱۸۰۷ء کو انگریزی بیڑہ امیرالبحر ڈک ورتھ کے ماتحت طمنی ڈرس پہنچ گیا۔ ۱۹ فروری کو عین عیدالفطر کے دن جب کہ ترک عید کی مسرتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے، انگریزی بیڑہ کسی اعلانِ جنگ کے بغیر درّہ دانیال میں داخل ہو گیا۔ یہ وقت دولتِ عثمانیہ کے لیے بہت نازک تھا۔ انگریزی بیڑہ جزائرشہزادگان تک پہنچا۔ وہاں ٹھہر کر انگریزی سفیر آرتھ ناٹ نے دوبارہ اپنے مطالبات باب عالی کے پاس بھیجے اور دھمکی دی کہ انھیں قبول کرلو ورنہ قسطنطنیہ پر گولہ باری کی جائے گی۔ سلطان کو وزرا نے مشورہ دیا کہ فرنچ سفیر کو دارالخلافہ سے چلے جانے کا حکم دیا جائے۔ مگر فرنچ سفیر نے اس کی نہایت شدومد کے ساتھ مخالفت کی اور سلطان کے سامنے ایسی پُرجوش تقریر کی کہ سلطان نے فوراً مدافعت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور دیکھتے دیکھتے تمام سامان تیار ہو گئے۔ انگریزی امیرالبحر نے جب دیکھا کہ قسطنطنیہ تو خطرے سے نکل گیا مگر ہم مصیبت میں پھنس گئے تو وہ فوراً درّہ دانیال سے بھاگا۔ مگر پھر بھی اس کے چند جہاز غرق کر دیے گئے۔ درّہ دانیال میں کافی نقصان اُٹھا کر انگریزی بیڑہ مالٹا چلا گیا اور کوشش شروع کر دی کہ ترکوں کے کسی اور صوبہ پر حملہ کا موقع ہاتھ آ جائے۔

اس زمانہ میں محمد علی پاشا اور مملوکیوں کے درمیان مصر میں لڑائی ہو رہی تھی۔ انگریزوں کی تاریخ میں ایسے موقعوں پر فائدہ نہ اُٹھانے کی منحوس مثال ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گی۔ وہ فوراً پانچ ہزار سپاہی لے کر اسکندریہ اور اسے فتح کر کے قاہرہ کی طرف بڑھے۔ محمد علی پاشا مقابلہ کے لیے نکلا اور پے در پے شکستیں دیتا ہوا اسکندریہ تک پسپا کرتا چلا گیا۔ وہاں چند مہینے محصور رہے اور بصد حسرت و یاس ڈیڑھ ہزار جانیں لے کر رخصت ہو گئے۔

عدن پر قبضہ

۱۸۴۱ء میں محمد علی پاشا نے خود سلطان کے خلاف بغاوت کر دی۔ اور اس کی فوجیں قسطنطنیہ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر رہ گئیں۔ سلطان محمد مرحوم نے مجبوراً بہت کمزور شرائط پر صلح کر لی۔ دوبارہ چند ہی برسوں کے بعد اس نے پھر ۱۸۳۹ء میں بغاوت کی اور خراج دینے سے انکار کر دیا۔ اور روضہ نبوی پر سے ترکی محافظین و خدام کو علیحدہ کر کے مصریوں کو مقرر کیا۔ سلطان عبدالمجید مرحوم حرم کا تصفیہ کرنے اور تمام حرکات سے چشم پوشی کرنے پر تیار ہو گئے تھے کہ دول عظمیٰ نے انھیں روکا اور مدد کا وعدہ کیا--- دول کے ساتھ انگریزوں نے بھی فوجی مدد کا وعدہ کیا تھا لیکن فوراً ہی اپنے اس وعدے کی قیمت میں عرب کی بہترین بندرگاہ عدن پر بھی قبضہ کر لیا۔ یہ واقعہ ایک روسی جنرل نے عجیب و غریب لکھا ہے:

''انگریزوں کو ہندوستان کے راستہ میں ایک بحری مستقر کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے عدن سے بہترین مقام اور کون سا ہو سکتا تھا۔ اس کے حاصل کرنے کے لیے انگریزوں نے جو تدبیر استعمال کی، اس کی نظیر صرف انھی کی تاریخ میں مل سکتی ہے۔ انھوں نے ایک انگریز کمپنی کے جہاز کو عدن کے قریب سمندر میں غرق کر دیا۔ اور پھر فوراً اس کی حمایت کے لیے پہنچ گئے۔ جہاز کے غرق ہونے کا الزام عدن کے عربوں پر لگایا اور شیخ یمن کو گولہ باری کی دھمکی دی۔ وہ بے چارہ اس آفت سے سہم گیا اور مجبوراً تاوانِ جنگ جیب میں رکھ کر ان حضرات نے شیخ کو عدن کی فروخت پر آمادہ کر لیا اور بہت سی رقم کا لالچ دے کر بیع نامہ لکھوا لیا۔ جب قیمت ادا کرنے کا وقت آیا تو شیخ کی خاص مُہر کسی طرح چُرا کر یا چوری کرا کے رسید پر لگا لی اور قانوناً شیخ کو ایک پیسہ دیے بغیر عدن پر قبضہ کر لیا۔ سلطان ترکی اس وقت اپنی ہی مصیبت میں پھنسے ہوئے تھے، عدن کی کیا فکر کرتے''۔

اس واقعہ کی صحت و عدم صحت کا ذمہ دار تو جنرل فیڈ روف ہے لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ عدن پر انگریزی قبضہ آج بھی موجود ہے۔

شذرات

مسلم سجاد

اتحادِ اُمت کا عشرہ

جماعت اسلامی پاکستان ملک و ملت کی خیرخواہ تمام قوتوں کو ساتھ لے کر ۲۰ سے ۳۰ مارچ ۲۰۰۳ء تک اتحادِ اُمت کا عشرہ منا رہی ہے۔ یہ دراصل اس امر کی کوشش ہے کہ خیبر سے کراچی اور گوادر تک بسنے والے پاکستانیوں میں یہ شعور بیدار کیا جائے اور اس احساس کو طاقت ور بنایا جائے کہ ہر مسلمان اُمت محمدؐ کا ایک رکن ہے۔ اُمت کی طاقت اس سے ہے اور اس کی طاقت اُمت سے ہے۔

اتحادِ اُمت کی دو سطحیں ہیں اور دونوں ہی اہم ہیں۔ پہلی' پاکستان کی سطح پر اور دوسری' عالمی سطح پر۔

پاکستان کی سطح پر اگر اُمت کا تصور ایک زندہ تصور ہو' اتحاد کا رشتہ اُمت ہو' معاشرے کی تنظیم اور سرگرمیاں اُمت کی بنیاد پر ہوں تو یہ ہمارے بہت سے مسائل کا حل ہے۔ صوبائیت اور علاقائیت کے لیے تریاق ہے۔ فرقہ پرستی جو مسائل پیدا کرتی ہے ان کا حل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُمت کا تصور ایک ایسا حیات بخش اور قوت افزا تصور ہے جس کی برکتوں کا احاطہ اسے عملاً اپنانے سے ہی ہوگا۔ یہ صرف ایک نعرہ نہیں جسے کسی وقتی سیاسی ضرورت کے لیے اختیار کیا جائے' بلکہ یہ اُمت مسلمہ کی بنیاد ہے۔ جس کو اقبال نے اس اُمت کی خصوصیت اور شناخت قرار دیا تھا اور اسے اس الہامی انداز میں بیان کیا تھا کہ ''خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولؐ ہاشمی''۔ یہی وجہ ہے کہ

اس تصور کے اصل ثمرات اسی وقت حاصل کیے جا سکتے ہیں جب اس تصور کو خلوص اور ایقان سے اختیار کیا جائے اور اسے ایک طویل المیعاد پالیسی بنایا جائے۔ جب اتحادِ اُمت کی بنیاد تصورِ اُمت ہوگا تو لامحالہ جو اخلاقی معائب ہمارے معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہے ہیں ان کا علاج ہوگا اور ملک میں اسلام کی تہذیبی اقدار کو فروغ حاصل ہوگا۔ اُمت کا تصور فرزندان اور دختران اُمت میں بجا طور پر احساس فخر پیدا کرے گا جو مغرب سے مرعوبیت اور اس کی نقالی کا توڑ ہوگا۔

عالمی سطح پر اتحاد اُمت کی جتنی ضرورت آج ہے پہلے کبھی نہ تھی۔ ۶۰' ۷۰ کے عشروں میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ متعین تجاویز پیش کرتے رہے کہ اتحاد اُمت کے لیے ٹھوس منصوبوں پر کام کیا جائے۔ اگر ان پر عمل کیا جاتا تو شاید اُمت مسلمہ آج عالمی استعمار کی سازشوں کے لیے نرم چارہ نہ بنتی۔ اب' جب کہ دشمن دروازے پر دستک دے رہا ہے بلکہ سر پر آیا ہوا ہے اگر اس وقت بھی بیداری کی ایک عام لہر اُمت کی بنیاد پر نظر آجائے تو یقیناً دشمن کے لیے اپنے عزائم کی تکمیل ممکن نہ ہو۔

ذکر ہوتا رہتا ہے کہ وسائل کے لحاظ سے اُمت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے مالا مال کیا ہے۔ محل وقوع ایسا ہے کہ دنیا پر حکمرانی کر سکتے ہیں۔ لیکن بدنصیبی یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایک اُمت سے وابستگی کا احساس کمزور ہے۔ ہماری حکومت کو افغانستان کی تباہی کے لیے کندھے فراہم کرنے میں کوئی تکلف نہ ہوا (اور جانتے بوجھتے اس غلط فہمی کو پھیلایا کہ ہم نے اپنے آپ کو بچالیا ہے)۔ آج جب عراق پر حملے کے لیے امریکہ اپنے دانت تیز کر رہا ہے تو مغربی دنیا تو مجسم احتجاج بن کر کھڑی ہوئی ہے' دنیا کے ۶۰ ممالک میں ۴۰۰ شہروں میں ۲ کروڑ عوام نے ایک ہی دن عراق پر امریکہ کی جارحانہ جنگ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا ہے لیکن اُمت مسلمہ میں بیداری کی رمق تلاش کرنا پڑتی ہے۔ حج کا ۲۰ لاکھ مسلمانوں کا اجتماع ہوا اور وہاں سے دشمن کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھے! عیدالفطر اور عیدالضحیٰ کے بڑے بڑے اجتماع جکارتہ سے نائیجیریا تک ہر شہر اور ہر قصبے میں سڑکوں پر آکر ۱۰ منٹ کا مظاہرہ کر دیتے تو امریکہ کو حملہ کرنے سے پہلے دس دفعہ سوچنا پڑتا اور اس کے جارحانہ عزائم پر اوس پڑ جاتی۔

حقیقت یہ ہے اُمت کا تصور آج مسلمانوں کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ اگر

یہ رشتہ مضبوط اور توانا ہو' ایک عضو کی تکلیف واقعتا سارے جسم کی تکلیف ہو' تو مسلمان ایک نئے دَور میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اس وقت پوری دنیا میں' مسلم اور غیر مسلم ممالک میں جو کوئی بھی احیاے اسلام کے لیے کام کر رہا ہے اس کا فرض ہے کہ اپنے منصوبوں' سرگرمیوں اور پروگراموں میں اتحاد اُمت کو اولیت اور ترجیح دے۔ اس حوالے سے جماعت کے عشرۂ اتحاد اُمت میں ملک کے ہر مرد و زن کو شرکت کرنی چاہیے۔

بسنت کی سرکاری سرپرستی

اس سال ملک میں بسنت کی سرگرمیاں جس طرح منعقد کی گئی ہیں وہ سوچنے والوں کے ذہن کے لیے بہت سے سوالات چھوڑ گئی ہیں۔ کیا واقعی ہم ایک ایسی قوم ہیں جس کے لیے لہو و لعب میں اتنی کشش ہے کہ بالکل سر پر منڈلاتے ہوئے خطرات بھی ان سے باز نہ رکھ سکیں؟ کیا حکومت نے تعمیر و ترقی کے سارے پروگرام مکمل کر لیے ہیں کہ صدر اور گورنر اور صوبہ پنجاب اور لاہور شہر کی ساری انتظامیہ اس ''مقدس'' سرگرمی میں دل و جان سے مصروف ہوگئیں۔

بسنت منانے کے آغاز کے حوالے سے جو تاریخی روایت مستند طور پر پیش کی گئی ہے اس کے بعد تو یہ بات عقل سے ماورا ہے کہ ہم یہ تقریب اس ذوق و شوق سے منانے پر کیوں مصر ہیں۔ محض تفریح کے لیے کوئی اور سبب کیوں نہیں ڈھونڈھ لیتے؟ یقیناً تفریح انسانی زندگی کے لیے اتنی ہی ضروری ہے جتنی طلب رزق کی جدوجہد' اخلاقی اور اجتماعی مقاصد کے لیے محنت اور قربانی۔ یہی وجہ ہے کہ دن اور رات کو کام اور آرام کے لیے الٰہی نشانیاں قرار دیا گیا۔ لیکن اس میں اہم چیز توازن و اعتدال اور ان مقاصد اور حدود کا احترام ہے جو اسلام اور اُمت مسلمہ کا شعار ہے۔ اگر تفریح کے نام پر طاؤس و رباب کے طوفان میں قوم کو بہا لے جانا اور غیروں کی ثقافت اور کلچر کو ہم پر مسلط کرنا ہو تو پھر اسے اجتماعی خودکشی کی طرف ایک اقدام کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ جس طرح اور جس نازک وقت میں اس سال بسنت کے نام پر یہ شرم ناک کھیل کھیلا گیا ہے وہ ان خدشات کو مزید تقویت دینے کا باعث ہے۔

اس سے پہلے بھی اور اس سال بھی اہل درد نے یہ بات بہت شدت سے محسوس کی کہ

ان تقریبات میں بڑھتی ہوئی سرکاری سرپرستی کے ساتھ ملٹی نیشنل کمپنیاں اور ان کی دیکھا دیکھی دوسرے کاروباریوں نے بھی دل کھول کر حصہ لیا اور کسی کام میں وسائل کی کمی نہ آڑے آئی۔ ایسا معلوم ہوا ہے کہ کوئی سوچا سمجھا پروگرام ہے کہ اس اُمت کو میلوں ٹھیلوں اور تفریحات میں غرق کر دیا جائے تاکہ یہ اپنے اصل مشن اور پروگرام سے غافل ہو جائے اور اخلاقی لحاظ سے اتنی پست ہو جائے کہ کسی حوصلے والے کام کا تصور ہی نہ کرے۔ اس طرح کی تقریبات معاشرے کے مجموعی کلچر پر اثرانداز ہوتی ہیں۔ خاص طور پر نوجوان نسل ان سے اثر لے کر اپنی زندگی کے لیے رویے تشکیل دیتی ہے۔ معاشرے کو دُوراندیش اور بالغ نظر قیادت میسر ہو تو یہ کبھی نہیں چاہے گی کہ اپنے شہریوں کو اس طرح کی سرگرمیوں میں مشغول کرے۔

ہم پاکستانی دنیا کی کوئی عام قوم نہیں ہیں' نہ کوئی ایسا گروہ ہیں جس کی اپنی تہذیب اور اقدار نہ ہوں۔ ہم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اعمال کی جواب دہی کے تصور سے آشنا ہیں۔ دنیا کو ایک آزمایش جانتے ہیں۔ پاکستان کا قیام کچھ خاص مقاصد کے لیے ہوا تھا۔ اس لیے نہیں ہوا تھا کہ ہم وہ کچھ کریں جو ہندو ہم سے کروانا چاہے۔ ہم نے اللہ سے عہد کیا اور اللہ نے ہمیں یہ مملکت دی۔ اسی لیے اسے مملکت خداداد پاکستان کہا جاتا ہے۔

ڈر لگتا ہے کہ اگر ہمارے لچھن یہی رہے جس کا مظاہرہ لاہور کی سڑکوں' چھتوں' پارکوں' کلبوں اور ہوٹلوں میں ۷'۸'۹ فروری ۲۰۰۳ء کو حج اور عیدِ قربان سے صرف چند دن پہلے اور عراق کے خلاف امریکی جارحیت کے خلاف عالمی احتجاج کے دن سے صرف ایک ہفتہ پہلے کیا گیا ہے' وہ ملت اسلامیہ پاکستان کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہی نہیں' العیاذ باللہ' اللہ کے غضب کو دعوت دینے کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔ (اللہ ہمیں اپنے عذاب سے اپنی پناہ میں رکھے)

یہ وقت یہ عزم کرنے کا ہے کہ آیندہ سال ایسی فضا تیار کی جائے گی کہ بسنت کی تقریب ہمارے ملک میں نہ منائی جائے۔ حکومت اور ملکی اور غیرملکی سرپرستوں کو یہ نظر آجائے کہ وہ اس میں حصہ لے کر لوگوں کو خوش نہیں ناراض کریں گے۔ دستور پاکستان کے تحت ہماری حکومت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ شہریوں کے لیے قرآن و سنت کی تعلیمات پر عمل کو ممکن اور آسان بنائے۔ حکومت کو اپنا یہ فرض ادا کرنا چاہیے اور اس میں معاشرے کی خیر کی طاقتوں سے تعاون لینا چاہیے۔

حکمت مودودیؒ

طاقت کا نشہ

مسٹر فورڈ اور مسٹر کسنگر☆ کے حالیہ بیانات پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امریکہ کے سفید فام لوگ اخلاقی حیثیت سے آج بھی اسی مقام پر ہیں جس پر وہ اپنی تاریخ کے ابتدائی دَور میں تھے۔ اُس وقت انھیں نئی دریافت شدہ دنیا کی زمین اور اس کی دولت مطلوب تھی' اس لیے وہاں کے اصل باشندوں سے زبردستی ان کی زمین چھین لینا انھیں سراسر جائز نظر آیا اور اس صریح ڈاکا زنی میں انھوں نے اپنے آپ کو بالکل حق بجانب سمجھا۔ اب اُن کو تیل کی ضرورت لاحق ہے اس لیے وہ اِس بیسویں صدی کی آخری چوتھائی میں کسی شرم و حیا کے بغیر ساری دنیا کے سامنے بے جھجک یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر تیل پیدا کرنے والے ملکوں نے ان کے مفاد کو خطرے میں ڈالا تو وہ فوجی کارروائی کر کے ان کی دولت کے چشموں پر زبردستی قبضہ کرلیں گے۔ یہ باتیں اُن کا کوئی عام راہ چلتا آدمی نہیں کہہ رہا ہے بلکہ خود ان کا صدرِ مملکت اور ان کا وزیرِ خارجہ کہہ رہا ہے اور ان کے پورے ملک میں کوئی ایک اللہ کا بندہ بھی ایسا باضمیر نہیں ہے جو اُٹھ کر ان سے یہ کہے کہ پوری قوم کے نمایندے ہونے کی حیثیت سے دنیا کے دوسرے ملکوں پر ڈاکا مارنے کے یہ ارادے ظاہر کرتے ہوئے تمھیں کچھ تو شرم آنی چاہیے۔

لُطف یہ ہے کہ ان دھمکیوں کا پس منظر خود ان دھمکیوں سے بھی زیادہ شرم ناک ہے جس پر پچھلے ۲۷ برس میں کبھی امریکہ کے لوگوں اور ان کے سیاسی نمایندوں اور ان کے حکمرانوں' حتیٰ کہ ان کے مذہبی اور اخلاقی رہنماؤں کے ضمیر نے بھی کوئی خلش محسوس نہ کی۔ پہلے انھوں نے یہ ظلم کیا کہ فلسطین کے عربوں کو ان کے وطن سے جبراً بے دخل کر کے اسے ان یہودیوں کا وطن'

☆ یہاں بش اور پاول پڑھ لیں۔ (ادارہ)

اور پھر ان کی ریاست بنوایا جو ۲۰ صدیوں سے دنیا بھر میں بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ ان کی اس ناجائز ریاست کو بے حساب مالی' فوجی' فنی اور افرادی طاقت بہم پہنچاتے رہے یہاں تک کہ وہ پے درپے جارحیت کا ارتکاب کر کے عربوں کے مزید علاقے چھینتی اور اپنا تسلط وسیع سے وسیع تر کرتی رہی۔ اس کی ان زیادتیوں پر اسے ٹوکنا تو درکنار' امریکہ اُلٹی اس کی پیٹھ ٹھونکتا رہا۔ عربوں کے خلاف ہر جنگ میں اسے خفیہ اور علانیہ ہر طرح کی مدد دیتا رہا' اور شرق اوسط میں توازنِ قوت قائم رکھنے کے بہانے اسے اتنی زبردست فوجی طاقت بناتا رہا کہ تمام عرب ریاستیں مل کر بھی اکیلی اس یہودی ریاست کے مقابلے میں بے بس ہو کر رہ گئیں۔

اس ظلم کو مسلسل ایک چوتھائی صدی تک برداشت کرنے کے بعد تیل پیدا کرنے والے عرب ممالک جب اسرائیل کے مددگاروں اور حامیوں کے خلاف تیل کا ہتھیار استعمال کرنے پر مجبور ہو گئے تو اب بھی امریکہ کا گمراہ ضمیر اسے یہ محسوس نہیں کراتا کہ یہ مظلوم لوگ صرف انصاف حاصل کرنے کے لیے یہ آخری چارۂ کار اختیار کر رہے ہیں' اور اس کی اوندھی عقل اُسے یہ نہیں سجھاتی کہ عربوں کے ساتھ اپنی بے انصافی سے باز آ کر وہ ہر اُس دشواری کا سدِّ باب کر سکتا ہے جو تیل کی بہم رسانی میں واقع ہو سکتی ہے' بلکہ اس کے برعکس وہ عربوں کو یہ دھمکی دیتا ہے کہ اگر تم نے ہمارا تیل بند کیا تو ہم فوجی طاقت سے کام لے کر وہ علاقے ہی تم سے چھین لیں گے جن سے تیل نکلتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو بے انصافی ہم نے تمھارے ساتھ کی ہے وہ جاری رہے گی۔ ہمارا برخوردار اسرائیل تمھارے علاقے چھینتا رہے گا اور چھینے ہوئے علاقوں کو واپس دینے سے انکار کرتا رہے گا۔ تم خون کا گھونٹ پی کر اس ظلم' اور ذلّت کو گوارا کرتے رہو' اور ہمیں تیل بھی دیتے جاؤ---لیکن اگر تم نے انصاف حاصل کرنے کے لیے کوئی ایسی حرکت کی جس سے ہم پر دباؤ پڑتا ہو تو ہم پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ کر بے انصافی کریں گے کیونکہ ہم سوپر پاور ہیں---

خدا رحم کرے اُس دنیا پر جس میں اِس کردار کی قوم سوپر پاور بن جائے۔ (امریکی صدر اور وزیر خارجہ کی طرف سے تیل پیدا کرنے والے عرب ممالک کو دی جانے والی دھمکیوں پر تبصرہ' ۲۸ جنوری ۱۹۷۵ء)

قرآن اور تشدد

مستشرقین کے نقطۂ نظر کا جائزہ

ڈاکٹر انیس احمد ○

مغربی محققین واضح تاریخی حقائق کا دیدہ دلیری سے مذاق اڑاتے ہوئے خود قرآن کریم کے حوالے سے وہ بہت سی باتیں دوبارہ اٹھا رہے ہیں جو صدیوں سے زیر بحث آتی رہی ہیں اور جن پر مسلم علما اور دانش وروں نے علمی سطح پر بغیر کسی معذرت کے حقائق کو بلاکم و کاست پہلے ہی پیش کر دیا ہے۔

بعض مغربی ناقدین قرآن کریم کی ان آیات کے حوالے سے جن میں جہاد اور قتال کا حکم دیا گیا ہے یہ کہتے ہیں کہ ایسی آیات کی موجودگی میں‘ جو ان کے بقول ان آیات کو منسوخ کر دیتی ہیں جن میں امن‘ ترقی اور محبت کا پیغام دیا گیا ہے‘ اسلام کو کس طرح ایک امن پسند مذہب کہا جا سکتا ہے۔ سورہ نساء کی آیت ۷۴ کو اس کے سیاق و سباق سے نکال کر بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے کہ ”اللہ کی راہ میں لڑنا چاہیے ان لوگوں کو جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو فروخت کر دیں۔ پھر جو اللہ کی راہ میں لڑے گا اور مارا جائے گا یا غالب رہے گا اسے ضرور ہم اجر عظیم عطا کریں گے“ (النساء ۴:۷۴)۔

○ وائس چیئرمین‘ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز‘ اسلام آباد

اس آیت مبارکہ کو نقل کرنے کے بعد مغربی مستشرق یہ کہتے ہیں کہ اسلام لوگوں کو لڑائی اور قتل پر اُبھارتا ہے۔ کاش! یہی مستشرق اس آیت سے اگلی آیت کو بھی پڑھ لیتے اور پھر دونوں آیتوں کو ملا کر ان کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتے۔ رب کریم اگلی آیت میں فرماتا ہے: ''آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں' عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے'' (النساء ۴:۷۵)۔ اس آیت کو اگر صرف ایک غیر جانب دار نظر ڈال کر پڑھ لیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ پہلی آیت کس کے خلاف جنگ پر اُبھارتی ہے؟ اگر ظلم' تشدد' حقوق انسانی کی پامالی کرنے والے سفاک افراد کو ان کے حال پر یہ کہہ کر چھوڑ دیا جائے کہ ہم تو امن کے پرستار ہیں' ہم تلوار کو ہاتھ لگا کر گناہ کا ارتکاب نہیں کرنا چاہتے تو کیا یہ رویہ اخلاق کے کسی بھی پیمانے پر پورا اُترے گا؟

اسلام اور قرآن کو کوئی معذرت پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ اگر جہاد کی بات کرتا ہے تو دوٹوک' سیدھے اور غیر مبہم انداز میں یہ بات کہتا ہے کہ ہر ظالم' جابر' سفاک کے خلاف جنگ کرنا انسانی فریضہ ہے۔ اسلام کا مقصد قیامِ امن وعدل ہے اور اس میں گفت وشنید' اخلاقی دباؤ' ترغیب' مکالمہ ہر چیز ناکام ہو جائے اور عورتیں' بچے اور بوڑھے مسلسل ظلم کا شکار ہو رہے ہوں تو پھر اس سے قطع نظر کہ وہ مظلوم مسلمان ہیں یا غیر مسلم' ان کی نصرت وامداد مسلمان پر فرض ہو جاتی ہے۔ یہی وہ پیغام ہے جو یہ دو آیتیں دیتی ہیں۔ ان میں کس جگہ یہ کہا گیا ہے کہ بلاکسی سبب کے جب اور جہاں چاہو مذہب کے نام پر خون بہاؤ؟

اسی طرح سورۂ توبہ کی ایک آیت کے حوالے سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ اس میں غیر مسلموں اور اہل کتاب کے خلاف قتل عام کی اجازت دی گئی: ''جنگ کرو اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں'' (التوبہ ۹:۲۹)۔ یہاں بھی قرآن کریم یہ بات واضح الفاظ میں بیان کر رہا ہے کہ غیر مسلم اہل کتاب ہوں یا کوئی اور' ان

کے خلاف صرف اس وقت تک جنگ کی جا سکتی ہے جب تک وہ اسلامی ریاست، کی امارت تسلیم نہ کرلیں۔ اصل مقصد ان کو قتل کرنا' ختم کرنا' تباہ کرنا نہیں ہے بلکہ قانون کی حکمرانی اور امن و عدل کا قیام ہے۔ جہاد کا مدعا انھیں مار مار کر قوت کے زور سے مسلمان بنانا یا صفحۂ ہستی سے مٹانا نہیں ہے۔ اسلام کسی بھی ذی روح بلکہ غیر ذی روح کو بھی تشدد کے ذریعے تباہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا' خواہ وہ حیوان ہوں یا نباتات۔ یہ صرف مغربی سامراجی طاقتوں کا طریقہ ہے کہ وہ جہاں چاہیں ''تورابورا'' کرنے کا پیدایشی حق بزعم خود استعمال کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتے۔ وہ ویت نام ہو' کوریا ہو' بوسنیا ہرزی گووینا ہو' چیچنیا ہو' آذربائیجان ہو' افغانستان ہو یا عراق وہ جب اور جہاں چاہتے ہیں اپنے مفاد کے لیے دوسروں کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنانا اپنا ''انسانی فرض'' سمجھتے ہیں۔

سورۃ المائدہ کی آیت ۵۱ کے حوالے سے بھی یہ بات کہی جاتی ہے کہ یہ یہود اور عیسائیوں کو دشمن کے مقام پر رکھ دیتی ہے اور اس طرح ان کے خلاف نفرت کے جذبات کو ہوا دیتی ہے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ' یہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انھی میں ہے' یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے''۔ (المائدہ ۵:۵۱)

سلسلۂ مضامین پر غور کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ آیت ۴۲ سے جس موضوع پر بات کی جا رہی ہے وہ اہل کتاب کا عناد' جھوٹ اور دھوکا دہی پر مبنی طرزِعمل ہے جس میں ان کے مذہبی رہنماؤں کا اپنے ذاتی مفاد کے لیے تورات و انجیل کی تعلیمات کو بدل دینا اور اللہ کے ساتھ حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسٰیؑ کو شریک بنانا ہے۔

پھر بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو شریعتیں مختلف ادوار میں نازل کی ہیں ان میں بہت سی تعلیمات مشترک ہیں۔ اسلامی شریعت بھی انھی اصولوں پر مبنی اور من جانب اللہ ہے' اس لیے یہود و نصاریٰ کے بہکائے میں آئے بغیر فیصلے اللہ کی شریعت کے مطابق کیے جائیں' باوجود اس کے کہ یہود و نصاریٰ کی کوشش یہ ہو کہ اہل ایمان کو فتنے میں ڈال کر اپنی طرح گمراہ کر دیں۔

اس تفصیل کے بعد جو آیت ۴۲ سے آیت ۵۰ تک بیان کی گئی ہے یہ فرمایا جا رہا ہے کہ یہود اور عیسائیوں کو رفیق نہ بنایا جائے کیونکہ یہ تو آپس ہی میں گمراہوں کے رفیق ہو سکتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو سیاق و سباق کی روشنی میں اس سے زیادہ سچی بات اور کیا ہو سکتی ہے جو یہاں کہی جا رہی ہے۔ پھر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ جس سورہ کے حوالے سے مستشرقین یہ الزام اسلام کو دیتے ہیں، اس کا آغاز جن الفاظ سے کیا جا رہا ہے وہ ان محققین کی نگہ انتخاب سے نہ جانے کیوں اوجھل ہو جاتے ہیں۔ فرمایا جا رہا ہے: "آج تمھارے لیے ساری پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔ اہل کتاب کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے اور تمھارا کھانا ان کے لیے۔ اور محفوظ عورتیں بھی تمھارے لیے حلال ہیں خواہ وہ اہل ایمان کے گروہ سے ہوں یا ان قوموں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، (یہودی یا عیسائی) بشرطیکہ تم ان کے مہر ادا کر کے نکاح میں ان کے محافظ بنو"۔ (المائدہ ۵:۵)

ایک معمولی عقل کا انسان بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ جن یہودی یا عیسائی نیک خواتین کے ساتھ رشتہ مناکحت کی اجازت دی جا رہی ہو گویا انھیں اپنے گھر اور اپنے معاشرے میں ایک قابلِ احترام بیوی کا مقام دیا جا رہا ہو اور جن کے ساتھ کھانے پینے کے معاشرتی تعلقات قائم کرنے کی اجازت دی جا رہی ہو، ان کے بارے میں کیا یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ تمھارے دشمن ہیں، جہاں کہیں مل جائیں انھیں تہ تیغ کر دو، تہس نہس کر دو اور صفحۂ ہستی سے مٹا دو!

دوسری جانب کیا قرآن کریم کو یہ چاہیے کہ جو یہودی اور عیسائی بظاہر دوست بن کر آئیں، جب کہ ان کا واضح مقصد فتنہ و فساد ہو، اہل ایمان کو آپس میں لڑانا ہو، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت کے بہانے بلا کر زہر بھرا گوشت کھلا کر قتل کرنے کی نیت ہو تو کیا قرآن یا تورات کو ایسے افراد کو جگری دوست بنانے کا مشورہ دینا چاہیے؟ قرآن کریم ہی نہیں، کسی بھی کتاب سے ایک جملہ نکال کر اس کو اپنے من مانے معنی پہنانا نہ تو فکری دیانت ہے اور نہ اس کتاب کے ساتھ انصاف۔ اسی لیے قرآن کریم نے یہ کہا تھا کہ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا

ہے''۔(المائدہ ۵:۸)

ایک اور قرآنی آیت: ''پس جب ان کافروں سے تمھاری مڈبھیڑ ہو تو پہلا کام گردنیں مارنا ہے' یہاں تک کہ جب تم ان کو اچھی طرح کچل دو تب قیدیوں کو مضبوط باندھو' اس کے بعد (تمھیں اختیار ہے) احسان کرو یا فدیے کا معاملہ کرلو' تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے'' (سورہ محمد ۴۷:۴)۔ مغربی مستشرق اس آیت کی یہ تعبیر کرتے ہیں کہ قرآن یہ چاہتا ہے کہ اہل ایمان کو جہاں کہیں کفار مل جائیں ان کی گردنیں مارتے چلے جائیں اور کشتوں کے پشتے لگادیں' بالکل اسی طرح جیسے کہ بوسنیا ہرزی گووینا میں بہت سے مقامات پر اجتماعی قبروں کی دریافت سے معلوم ہوا کہ کروٹ اور سرب عیسائیوں نے مسلمانوں کو بلاتفریق جنس و عمر تہ تیغ کیا۔

اس آیت مبارکہ کے نزول سے قبل سورۃ الحج کی آیت ۳۹ اور سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹۰ جہاد کی اجازت کے سلسلے میں آچکی تھیں۔ اب اس بات کی ضرورت تھی کہ اسلامی قانونِ جنگ کی وضاحت جنگ پیش آنے سے قبل ہی کر دی جائے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ اگر مشرکین و کفار کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی تحریک کو دبانے اور مٹانے کے لیے اور تمھیں مدینہ سے بے دخل کرنے کے لیے پوری قوت سے مدینہ پر حملہ آور ہو کر اس دعوتِ حق کی روشنی کو بجھا دیں تو جہاد کی اجازت کی روشنی میں تم بھی ان کی قوت توڑنے میں تکلف نہ کرو۔ ''گردنیں مارنا'' محض قتل کرنے کے معنی میں نہیں بلکہ واضح طور پر ان کی قوت توڑنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

کسی بھی جنگ کی حکمت عملی یہی ہوتی ہے کہ مخالف کی قوت کو توڑا جائے۔ اس لیے قرآن کا یہ کہنا اخلاق و عدل کے اصولوں پر مبنی صحیح ترین عمل نظر آتا ہے۔ ہاں اگلی بات یہ سمجھا دی گئی کہ مقصود ان کا بے رحمانہ قتل نہیں بلکہ اگر ان کی قوت ٹوٹ جائے تو انھیں قید میں آنے کے بعد قتل نہیں کیا جاسکتا' ہر قیدی کو عزت و احترام کے ساتھ لباس' کھانا' تحفظ دیا جائے گا اور اس کے سامنے یہ اختیار ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو فدیہ دے کر آزاد کرالے یا اسلامی ریاست ان پر احسان کر کے رہا کر دے یا تبادلۂ اسیران میں اسے رہا کر دیا جائے۔ ہمارے علم میں کسیِ انتہائی ''پُرامن'' فلسفے پر مبنی مذہب کا کوئی ایسا اصول نہیں جس میں کہا گیا ہو کہ جب دشمن تم پر حملہ آور ہو

تو اپنے دروازے کھول کر سر جھکا کر ادب سے اس کا استقبال کرتے ہوئے اپنی گردنیں قلم کرانے کے لیے پیش کرو اور یقین کرلو کہ تمھاری طرف سے ایک انگلی بھی نہ اُٹھے' نہ اس میں سے ایک قطرہ خون ٹپکے!

مستشرقین کے بعض اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے بار بار یہ احساس ہوتا ہے کہ کاش یہ علم کے مدعی بات کرنے سے قبل حصول معلومات بھی کر لیتے' مثلاً یہ کہنا کہ مسلم معذرت خواہ (apologists) یہ کہتے ہیں کہ تمام غلط فہمی اس بنا پر پیدا ہوتی ہے کہ قرآن کریم کے انگریزی تراجم ناقص ہیں' اس بنا پر جہاد اور قتال کے بارے میں غلط تصورات پائے جاتے ہیں (الراوندی "Islam and Armageddon")۔ یہ نصف سچائی پر مبنی ایک بیان ہے۔ ہمارے خیال میں بعض صورتوں میں اس کا امکان تو ہے لیکن اصل مسئلہ ترجمے کا نہیں بلکہ قرآن کریم کی آیات کو سیاق و سباق سے الگ کر کے اس کا مفہوم اپنے ذہنی مفروضوں کی روشنی میں متعین کرنا ہے۔

تحقیق کا بنیادی اصول ہے کہ زیر بحث مسئلے کو براہِ راست اس کے سیاق و سباق میں دیکھا جائے' اس کے بعد کوئی رائے قائم کی جائے۔ یہی سبب ہے کہ مستشرقین بعض ایسی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں جو بنیادی اسلامی علمی اصطلاحات سے ان کی ناواقفیت کا اظہار کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر یہ کہنا کہ مکی آیات رحم وعفو و محبت سے بھری ہوئی ہیں' جب کہ مدنی آیات' مثلاً ''مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو'' نے ۱۲۴ ایسی آیات کو جو رحم و لطف سے متعلق تھیں منسوخ کر دیا ہے (الراوندی' ایضاً) نہ صرف مکی و مدنی آیات سے ناواقفیت ظاہر کرتا ہے بلکہ نسخ فی القرآن جیسے اہم مضمون سے مکمل لاعلمی کا ثبوت پیش کرتا ہے۔

حقیقت واقعہ یوں ہے کہ ۹ ہجری میں جب مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کی قیادت میں پہلا حج کیا تو سورۂ توبہ کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں اللہ اور اس کے رسولؐ نے ان مشرکین سے اپنی براءت کا اعلان کیا جن سے اس سے قبل بعض معاہدے ہوئے تھے اور وہ ان کی خلاف ورزی کرتے رہے تھے۔ انھیں مہلت دی گئی کہ وہ آیندہ چار ماہ تک اپنے بارے میں طے کرلیں اور اگر کہیں اور جا کر آباد ہونا ہو تو بلا روک ٹوک چلے جائیں یا اپنی روش بدلنی ہو تو

ایسا کرلیں۔ اس کے بعد ان کے خلاف عام اعلان جنگ کرتے ہوئے یہ بات سمجھا دی گئی کہ ان چار ماہ کے بعد مشرکین کے خلاف اس وقت تک جنگ ہوگی جب تک وہ اپنی غلطی کا اعتراف (توبہ) کرنے کے بعد نماز اور زکوٰۃ پر عامل نہ ہو جائیں۔

چنانچہ اس آیت سے اگلی آیت میں مشرکین کے حوالے ہی سے یہ ہدایت کی گئی کہ گو ان کے خلاف جارحیت کی اجازت ہے لیکن اگر کوئی مشرک حالت جنگ میں بھی اہل ایمان سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دی جائے اور اسے قرآن سننے اور اہل قرآن کو دیکھنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ پھر اسے مجبور کیے بغیر اور اس پر کسی قسم کا تشدد کیے بغیر اس کے گھر تک اپنی امان اور حفاظت میں پہنچانا مسلمانوں کا فرض ہے۔ چنانچہ فرمایا: ''اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر تمھارے پاس آنا چاہے (تاکہ اللہ کا کلام سنے) تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اسے اس کے مامن تک پہنچا دو۔ یہ اس لیے کرنا چاہیے کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے''۔(التوبہ ۹:۵)

دونوں آیات کو ملا کر پڑھیے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ''مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ'' کے حکم کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ یہ ایک مطلق اجازت نہیں ہے کہ جہاں کسی مشرک کو دیکھا اور نشانہ بنا دیا بلکہ اس بات کا اعلان ہے کہ ہماری اصل جنگ شرک و کفر کے ساتھ ہے۔ اگر کوئی مشرک حصولِ معلومات کے لیے اہل ایمان سے پناہ طلب کرتا ہے تو قرآنی حکم کی اطاعت میں اسے نہ ہاتھ لگایا جائے گا نہ قیدی بنایا جائے گا بلکہ اپنی حفاظت میں اسے اس کے گھر تک لے جایا جائے گا۔ یہاں بھی آیت کے ایک حصے کو سیاق و سباق سے الگ کرنے کے نتیجے میں مستشرقین ایک گمراہ کن تعبیر کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے خود قرآن سے فلسفۂ تشدد کو ثابت کر دیا۔

قلب و ذہن جیتنے کی جنگ

آج کوئی ملک جزیرہ نہیں
کہ دنیا سے الگ ہو کر اپنی تہذیب و ثقافت کو بچا لے۔

آج مسلم ممالک اور معاشروں میں اسلامی اقدار کو حقیقی خطرات درپیش ہیں
ان کا مقابلہ دفاعی اقدامات سے نہیں کیا جا سکتا
ایسی جنگ میں دفاعی اقدامات کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

اس کا ایک ہی طریقہ ہے
اپنی نئی نسلوں کو اسلامی تہذیب اور اقدار کا چلتا پھرتا نمونہ بنا دیں
اور یہ معاشرے کی تعمیر کے لیے میدان میں نکل آئیں۔

تہذیبوں کی جنگ نوجوانوں کے قلب و ذہن جیتنے کی جنگ ہے
نئی نسل کو اپنی اقدار پر احساسِ فخر سے مالا مال کر دیں
ان مرعوب لڑکوں اور لڑکیوں میں جن کے لیے نقالی اوجِ کمال ہے' انقلاب برپا ہو جائے گا
وہ مغرب سے لینے والے نہ ہوں گے' مغرب کو دینے کی پوزیشن میں آ جائیں گے۔
وہ اسلام کو غالب کریں گے'
نفرت اور جارحیت سے نہیں' اعلیٰ اخلاق اور شائستہ اطوار سے۔

(خیر خواہ)

صحابہؓ ——— سرورِ عالمؐ کے مجسم معجزے

ڈاکٹر اعجاز فاروق اکرم ○

آقائے دو جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے تمام پہلو اور زاویے حیرت انگیز اور بے مثل ہیں۔ ایسا ہی ایک یگانۂ روزگار پہلو اور انوکھا معجزہ ہے: انسانی دلوں اور ذہنوں کی تسخیر ———! انسان کائنات کی سب سے پُراسرار، پیچیدہ اور حیرت انگیز چیز ہے، جسے آنحضور علیہ السلام نے بیک نظر مسخر کر لیا۔ یہ تسخیر جسموں کی نہیں، دلوں کی تھی۔ جس نے ایک بار ذاتِ گرامی کو دیکھا، دیوانہ ہو گیا۔ ایک بار سنا، فریفتہ و شیدا ہو گیا۔ نبیؐ کے فیضانِ نظر نے ایسا انقلاب برپا کر دیا کہ عقل و فکر، شعور و آگاہی، سب یکسر بدل کر رہ گئے۔ ان پاکیزہ نفوس نے نور کے اس نیر و تاباں منارہ سے روشنی لے کر اپنے مَن میں اُجالے کیے۔ انھیں دیکھا، سنا تو ہر حرف، ہر لحمہ اور ہر جنبش کو اسوۂ عمل بنا لیا۔ لمحوں میں ایسا انقلاب برپا ہوا کہ اونٹوں کے چرانے والے دنیا میں تہذیب و تمدن کی شمعیں روشن کرنے لگے۔ بات بات پر تلوار نکالنے، خون کے دریا بہانے اور صدیوں کی دشمنیاں پالنے والے، اب سمعنا واطعنا --- ہم نے سنا اور مان لیا کا اعلان کرنے لگے۔ اپنے حسب و نسب پر فخر و غرور کرنے، شان و شوکت پر اِترانے والے اُس ذاتِ والا تبار پر فداہ ابی وامی --- اپنے ماں باپ قربان کرنے لگے۔ پتھروں کی طرح سخت دل خوفِ الٰہی سے معمور ہو گئے۔ اپنی خاطر مٹنے والے دوسروں کے لیے قربانی و ایثار کے خوگر ہو گئے۔ کفر و نفاق کی جگہ صدق و صفا، خلوص و وفا نے لے لی۔ حرص و ہوس کے بجائے فقر و غنا،

○ پروفیسر، گورنمنٹ کالج، فیصل آباد

خونریزی اور سفاکی کے بجائے اخوت و محبت کا چلن ہوا۔ دنیا کی راحتوں پر مر مٹنے والے آخرت کی نعمتوں کے متمنی اور مشتاق ہوگئے۔

یقیناً یہ معجزہ ہی تھا --- ایک تا ابد زندہ و جاوید رہنے والا معجزہ --- کہ بیک نظر' بیک لمحہ اتنا بڑا انقلاب برپا ہوا کہ چند ہی سالوں میں حجۃ الوداع تک ایک لاکھ ۲۴ ہزار سے بھی زائد ایسے پاکیزہ نفوس کی جماعت وجود میں آ گئی جن میں سے ہر ایک کی حیات --- ہر ایک کا کردار --- سرکارِ دوجہاں کی حیاتِ مقدسہ کا عکس تھا۔ اعلیٰ اخلاق' عفت و پاک بازی' حق گوئی و بے باکی' دیانت و امانت --- عدل و انصاف' گفتار و کردار' توکل و استغنا' شجاعت و استقامت' قربانی و ایثار' جاں فروشی و جاںنثاری کے روشن ستارے دشت وچمن میں سحر کرنے لگے۔ روشنی و ہدایت کے یہ ستارے قیامت تک آنے والوں کے راہنما و راہبر قرار پائے۔ انھی کے بارے میں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَصْحَابِی کَالنُّجُومِ' میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں --- بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اِهْتَدَيْتُمْ' ان میں سے جسے بھی تم پیشوا بنالو' ہدایت پالو گے۔ اپنے صحابہؓ کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو تنبیہ کی: اَللّٰهَ اللّٰهَ فِي اَصْحَابِي' میرے اصحاب کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ لَا تَتَّخِذُوهُمْ مِنْ بَعْدِيْ غَرَضًا' میرے بعد انھیں طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنانا۔ اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھ سے محبت کا معیار میرے صحابہؓ سے بھی محبت ہے۔ ان سے نفرت و بُغض مجھ سے نفرت و بُغض ہے۔ انھیں ایذا دینا مجھے ایذا دینے کے مصداق ہے' اور مجھے ایذا دینا اللہ کو ایذا دینا ہے۔

یہ پاکیزہ نفوس اور مقدس ہستیاں وہ ہیں جنھیں قرآنِ حکیم نے بڑی عظمت و مرتبت سے نوازا ہے۔ نہ صرف قرآن میں بلکہ ان کا ذکر اپنے آقا و مولا کے ساتھ تورات و انجیل میں بھی بیان ہوا ہے۔ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ۔

قرآنِ مجید میں اصحاب نبیؐ کی عظمت و بلند مرتبت کا جابجا ذکر موجود ہے۔ سورۂ فاطر میں اللہ نے انھیں اپنے منتخب بندے اور کتاب کے وارث قرار دے کر خصوصی سلام بھیجا: وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى --- اور فرمایا: اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا --- دراصل یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی دعوتِ حق

سنی تو فوراً اُسے قبول کیا اور اس کی خاطر ہر طرح کا ستم اور ظلم سہا۔

قرآن نے خود ان صحابہؓ کا قول بیان کیا: رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا (آل عمران ۳:۱۹۳)۔ اللہ کریم نے ان کے لیے اپنے فضل اور رضا کا اعلان کیا جنھوں نے راہِ حق میں اپنے گھر اور مال لٹا دیے--- لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (الحشر ۸:۵۹)۔ قرآن نے انھیں دینِ حق کی راہ پر ''السابقون الاولون'' قرار دیا اور فرمایا: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ --- کہ اللہ بھی اُن سے راضی ہوا اور یہ بھی اپنے مالک و آقا کی نعمتوں اور عنایات پر راضی ہو گئے۔ اور ان کے لیے جنت کا انعام اور وہاں ہمیشہ قیام کا وعدہ فرمایا۔ اور اسے ''اَلْفَوْزُ الْعَظِيْمُ'' یعنی بڑی کامیابی قرار دیا (توبہ ۹: ۱۰۰)۔ قرآن مجید نے ان صحابہؓ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا: رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (الاحزاب ۳۳:۲۳) ''یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا''۔

قرآن نے انھیں خیرِ اُمت اور اُمت وسط قرار دے کر نیکی پھیلانے اور بدی کی بیخ کنی کا منصب سونپا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے روز، جب لوگ رسوائی کے خوف سے پریشان ہوں گے، اللہ انھیں رسوائی سے بچائے گا۔ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ (التحریم ۸:۶۶)

قرآن کریم نے ان اصحاب نبی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقام و مرتبہ کے علاوہ ان کی صفات بھی بیان فرمائیں۔ جن کی وجہ سے انھیں نبی کی قربت اور اپنے مالک و آقا کی رضا و مغفرت اور اجرِ عظیم، رزقِ کریم اور فوزِ عظیم کی بشارتیں عطا ہوئیں۔ قرآن نے انھیں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ --- حقیقی مومن --- الصادقون --- سچے لوگ--- الراشدون --- ہدایت یافتہ --- المفلحون --- فلاح یافتہ --- الفائزون --- کامیاب قرار دیا۔ اس لیے کہ انھوں نے ایمان کو اپنے دلوں میں جگہ دی۔ کفر، فسق اور آقا کی نافرمانی سے قولی و عملی کنارہ کشی اختیار کی۔ یہ لوگ گناہِ کبیرہ--الفواحش ---یعنی فحش باتوں اور برے اعمال سے اجتناب کرتے رہے اور جب غصہ میں ہوتے تو معاف کر دیتے۔ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ

یَغْفِرُوْنَ (الشوریٰ ۴۲:۳۷)--- یہ لوگ اپنی خواہشات اور ضروریات کو قربان کر کے اپنے ساتھیوں کی ضروریات کو ترجیح دینے والے تھے۔ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ط (الحشر ۵۹:۹)۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ساتھی قرآن کی نظر میں رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ --- حلقۂ یاراں میں بریشم کی طرح نرم' اور اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ--- رزمِ حق و باطل میں فولاد--- یعنی دشمن کے لیے سخت اور دوست کے لیے نرم۔ شب و روز اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز' رُكَّعًا سُجَّدًا--- ایک اور جگہ یوں بیان فرمایا: يَبِيتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا --- کہ یہ لوگ اپنی راتیں قیام و سجود میں گزارتے ہیں اور ہر دم يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا ---اپنے پروردگار کی رضا اور فضل کے طلب گار رہتے ہیں۔

سورۃ السجدہ میں اس بات کو اس طرح بیان کیا گیا کہ تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا --- کہ اپنے رب کے خوف اور مغفرت کی امید میں ان کے پہلو بستروں سے علیحدہ رہتے ہیں۔ ان کی ایک صفت وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ--- کہ اللہ کے عطا کردہ مال میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں' بھی بیان کی گئی۔ قرآن نے ہدایت کے ان میناروں کی کچھ اور صفات بیان کیں۔ "يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا--- یہ زمین پر آہستہ آہستہ چلتے ہیں' یعنی فخر و تکبر سے پاک چال--- اور اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا--- جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی اور اسراف نہیں کرتے اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں۔

اصحاب نبیؐ اپنے رب پر ایمان لائے' اپنے آقا و مولا پر فدا و نثار ہوئے' اُن کے فرمان پر سرِ تسلیم خم کیا اور اُن کے ہر قول و عمل کے مطابق اپنی ساری زندگی بدل کر رکھ دی۔ اپنے مولا کے حکم پر جان و مال سے جہاد کیا اور راہِ خدا میں ہجرت بھی کی۔ یہ وہ لوگ تھے--- اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (انفال ۸:۲)' جب اللہ کا ذکر ہوتا تو اُن کے دل خوف زدہ ہو جاتے۔ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا (۸:۲۰)' اور جب اُن کے سامنے رب کی آیات تلاوت کی جاتیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا۔ یہ وہ لوگ تھے--- کہ اپنے آقا و مولا کے فرمان کو نہیں ٹالا' نہ لیت و لعل سے کام لیا۔ نہ سوچ بچار میں پڑے اور نہ کسی مصلحت کا شکار

ہوئے۔ جونہی اللہ اور رسولؐ کا حکم پہنچا، رضا معلوم ہوئی، اپنا سب کچھ مطیع بنا دیا۔

اِن صحابہؓ کی حیاتِ طیبہ کے یہ نقوش قرآن عظیم کے صفحات پر تاابد روشن رہیں گے، اور قیامت تک انسانیت کے لیے راہنما اور ہدایت کا مرکز و منبع رہیں گے۔ اُمت مسلمہ آج بھی اور ہر دور میں انھی سے ایمان کا نور حاصل کرتی رہے گی۔ مگر محض تذکروں --- یادوں اور باتوں سے نہیں --- اسی طرزِ حیات، اِسی اسوۂ عمل کو اپنا کر --- انھی مقدس ہستیوں کے نقشِ قدم پر چل کر --- !

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

مسائل ان گنت نظر آتے ہیں اور لاینحل بھی محسوس ہوتے ہیں۔ مسائل کی ہاہا کار میں ہم اکثر اپنے آپ کو فراموش کر دیتے ہیں۔ خود فراموشی کا یہ رویہ بتدریج خود فریبی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس کی بہترین مثال وہ مکھی ہے کہ جو کھڑکی کے شیشے سے باہر دیکھ کر مسلسل شیشے سے اپنا سر مارتی ہے۔ قصور شیشے کا ہے یا مکھی کا؟ مسائل کے گرداب سے اور مشکلات کے بھنور سے کیسے نکلا جا سکتا ہے؟

۱- اپنے آپ کو مسائل کا حصہ سمجھیں' اس کے باہر نہیں' یعنی یہ دیکھیں کہ اپنا قصور کتنا ہے۔ کس عمل یا واقعے یا رویے میں غلطی ہوئی ہے؟

۲- یہ نہ دیکھیں کہ دوسرے کچھ نہیں کر رہے ہیں' اُلٹا کام خراب کر رہے ہیں۔ اپنے کام پر توجہ دیں۔ آپ خود کیا کر سکتے ہیں؟

۳- دوسروں کے بارے میں سوچنے سے پہلے بدگمانی' شک' ابہام' تکبر' منفی سوچ' تعصب' غصہ' جلد بازی' سطحیت' کم علمی جیسے مضر پہلوؤں سے فریب میں مبتلا ہونے سے بچیں۔

۴- میں بھی شاید ان جیسا ہوں اور وہ بھی میرے جیسے ہو سکتے ہیں کے مفروضے کی بنا پر سوچیں --- یہاں تک کہ قطعی فرق نظر آئے۔

۵- دوسروں کی غلطی کو بڑھانا' اپنی اچھائی کو اُچھالنا' دوسرے کی اچھائی کو چھپانا' اپنی برائی کو دبانا' اس سے مسائل میں اضافہ ہوتا ہے۔

۶- کسی دوسرے کے ساتھ وہ سلوک نہ کرنا کہ جیسا کرنا صحیح محسوس ہوتا ہے' دراصل اپنے آپ کو دھوکے میں ڈالنا ہوتا ہے۔

اللہ کا ذکر ___ روح کی زندگی

ڈاکٹر علی بن عمر بادحدح

ترجمہ: خدا بخش کلیار

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی کی ایک مٹھی اور روح کی ایک پھونک سے پیدا فرمایا۔ مٹی کے جزو کے لیے کھانا پینا آسان کر دیا جس سے جسم نشوونما پاتا ہے اور بدن میں قوت آتی ہے، لیکن جہاں تک روح کا تعلق ہے وہ ایک بڑا راز ہے جس کی حقیقت کو انسان نہیں سمجھ پاتا۔

روح کی غذا' قوت' زندگی اور اس کی حفاظت اس کے خالق اور موجد کے مقرر کردہ طریق کار سے ہی ممکن ہے: اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (الملک ۶۷: ۱۴) ''کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے؟ حالانکہ وہ باریک بین اور باخبر ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے روح کے لیے وہ چیز بنائی ہے جس سے اسے بلندی' ارتقا' لطافت اور سرور حاصل ہو۔

ذکر: معنی و مفہوم

[''ذکر'' کا لفظ قرآن میں اصطلاحاً کلامِ الٰہی کے لیے استعمال ہوا ہے جو سراسر نصیحت بن کے آتا ہے۔ پہلے جتنی کتابیں انبیا پر نازل ہوئی تھیں وہ سب بھی ''ذکر'' تھیں اور یہ قرآن بھی ''ذکر'' ہے۔ ذکر کے اصل معنی ہیں ''یاد دلانا''، ''ہوشیار کرنا''، اور ''نصیحت کرنا''۔ (تفہیم القرآن' ج ۲' ص ۴۹۸)]

''روح کو جس چیز سے سب سے زیادہ توانائی اور راحت حاصل ہوتی ہے وہ اس کے

خالق کا ذکر ہے۔ اسی سے وہ غذا پاتی ہے اور وہی اس کی معراج اور زینت ہے۔ وہی اس کا ہتھیار ہے جس سے وہ تقویت پاتی ہے۔ یہ وہ پروانہ ولایت ہے کہ جسے دیا گیا وہ منزل پر پہنچا اور جس سے روک لیا گیا وہ محروم رہا۔ یہ لوگوں کے دلوں کی خوراک ہے کہ جب وہ نہیں ملتی تو ان کے جسم قبریں بن کر رہ جاتے ہیں۔ یہ ان کے گھروں کی آبادی ہے کہ جب وہ اس سے خالی ہو گئے تو وہ برباد ہو گئے۔ یہ وہ اسلحہ ہے جس کے ساتھ وہ رہزنوں سے لڑتے ہیں۔ یہ وہ پانی ہے جس سے وہ آگ کے شعلے بجھاتے ہیں اور یہ بیماریوں کی وہ دوا ہے کہ جب نہیں ملتی تو ان کے دل بیمار پڑ جاتے ہیں۔ یہ قرب کا وہ وسیلہ ہے جو انھیں علام الغیوب تک پہنچاتا ہے۔ اسی کے ذریعے وہ آفات سے اپنا دفاع کرتے ہیں' اسی سے تکالیف دور ہٹاتے ہیں اور اسی کے باعث مصیبتیں ان پر آسان ہو جاتی ہیں۔ جب ان پر کوئی آزمایش آتی ہے تو وہی ان کی پناہ گاہ ہے۔ جب بلائیں ان پر نازل ہوتی ہیں تو وہی ان کو بچاتا ہے۔ وہی ان کے جنت کے باغات ہیں جن میں وہ چلتے پھرتے ہیں اور ان کی خوش بختی کا راس المال بھی وہی ہے جس سے وہ تجارت کرتے ہیں۔ وہ افسردہ دل کو مسرت سے ہم کنار کر دیتا ہے۔ وہ ذاکر کو مذکور سے ملاتا ہے اور اسے ذاکر و مذکور بنا دیتا ہے" (تہذیب المدارج 'ص ۴۶۳) --- کتنی عمدہ ہے ذکر کی یہ تعریف جو ابن القیمؒ نے کی ہے۔ وہ کتنے بڑے صاحب فہم ہیں۔ ان معانی پر غور تو کرو!

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (الاحزاب ۳۳:۴۱) "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' اللہ کو کثرت سے یاد کرو"۔ اور اس کے لیے وقت کی کوئی تخصیص نہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى (طٰہٰ ۲۰:۱۳۰) "اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو اور دن کے کناروں پر بھی' شاید کہ تم راضی ہو جاؤ"۔ اور کوئی حالت بھی ذکر سے مستثنیٰ نہیں' فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آل عمران ۳:۱۹۱) "وہ ہوش مند لوگ جو اٹھتے' بیٹھتے اور لیٹتے' ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں"۔

ذکر غفلت اور نسیان کی ضد ہے۔ غفلت ذکر کو عمداً ترک کر دینا اور نسیان غیر ارادی طور پر ذکر کا ترک ہو جانا ہے۔ قرآن کریم میں غفلت کا حوالہ اس سے ممانعت اور اس سے

پرہیز کے ضمن میں دیا گیا ہے۔ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ (الاعراف ۷:۲۰۵) ''اپنے رب کو صبح و شام یاد کیا کرو' دل ہی دل میں زاری اور خوف کے ساتھ اور زبان سے بھی ہلکی آواز کے ساتھ' اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں''۔ نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (الکہف ۱۸:۲۸) ''کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے''۔ نسیان اس طرح کا نہیں ہوتا کیوں کہ اس کا صدور ارادے سے نہیں ہوتا اور اس سے متعلق قرآن عظیم نے وضاحت کی ہے: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (الکہف ۱۸:۲۴) ''اور اگر بھول ہو جائے تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید اور اس سے استغفار کرو''۔

ذکر دو معنوں پر مشتمل ہے:

قلبی ذکر: تذکر کے معنی کسی شے کا ذہن میں اس طرح استحضار ہے جیسا کہ تمھارا یہ کہنا'' مجھے ایک ایسا اور ایسا حادثہ یاد آتا ہے'' جب کہ تم نے اس حادثے کو اپنے ذہن میں حاضر کر لیا اور اس کی تفصیلات ذہن کے پردے پر آ گئیں۔ یہ معنی ہیں نسیان کی ضد کے۔ اور اسی سے متعلق اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ (آل عمران ۳:۱۳۵) ''ایسے نیک لوگ جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انھیں یاد آ جاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں''۔ پس ذکر کی بنیاد دل میں مذکورہ شے کی یاد اور توجہ ہے۔

قولی ذکر: اس سے مراد زبان سے الفاظ کی ادایگی ہے اور اسی مفہوم میں عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے لہٰذا جب یہ کہا جائے کہ: ''فلاں صاحب پابندی سے اذکار کرتے ہیں'' تو مفہوم یہی ہوتا ہے کہ وہ الفاظ سے انھیں ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (الاحزاب ۳۳:۴۱) ''اے لوگو' جو ایمان لائے ہو اللہ کو

کثرت سے یاد کرو'۔

زبان سے قول کو ذکر کا نام دیا گیا ہے۔ کیوں کہ وہ دل کے ذکر پر دلیل ہے۔ اور زیادہ تر زبانی قول کو ذکر کا نام دیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ شعوری طور پر وہی ذہن میں آتا ہے۔ (المفہم' ۶-۷)

لہٰذا ہمارے نزدیک ذکر دو چیزوں پر مشتمل ہے۔ ذکر تذکر کے معنی میں' جس سے مقصود اللہ کی یاد' اس کی عظمت و خشیت' اس کی حفاظت و نگرانی' اس کی نعمت کا احساس' حتیٰ کہ بندے کے دل میں اس کی بڑائی سما جائے۔ وہ اللہ سے ڈرے اور سمجھے کہ وہ اس کی نظر میں ہے اور اس کی نعمت کا شکر ادا کرے۔ اسی طرح سے زبان سے ذکر ہے جو قلبی ذکر کا ثمرہ ہے' اس پر گواہ ہے اور اس کی ترجمانی کرنے والا ہے۔ پس جس نے اللہ کی عظمت کو دل میں جگہ دی' اپنی زبان سے اللہ کی تسبیح' تہلیل اور تکبیر کی' اس کے حضور میں گریہ وزاری اور دعا کی' وہی صحیح معنوں میں ذاکر ہے۔

دائمی ذکر

[اللہ کو کثرت سے یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی زبان پر ہر وقت زندگی کے ہر معاملے میں کسی نہ کسی طرح خدا کا نام آتا رہے۔ یہ کیفیت آدمی پر اُس وقت تک طاری نہیں ہوتی جب تک اس کے دل میں خدا کا خیال بس کر نہ رہ گیا ہو۔ انسان کے شعور سے گزر کر اس کے تحت الشعور اور لاشعور تک میں جب یہ خیال گہرا اُتر جاتا ہے تب ہی اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ جو کام اور جو بات بھی وہ کرے گا اس میں خدا کا نام ضرور آئے گا۔ کھائے گا تو بسم اللہ کہہ کر کھائے گا۔ فارغ ہوگا تو الحمدللہ کہے گا۔ سوئے گا تو اللہ کو یاد کر کے اور اُٹھے گا تو اللہ ہی کا نام لیتے ہوئے۔ بات چیت میں بار بار اس کی زبان سے بسم اللہ' الحمدللہ' ان شاء اللہ' ماشاء اللہ اور اس طرح کے دوسرے کلمات نکلتے رہیں گے۔ اپنے ہر معاملے میں اللہ سے مدد مانگے گا۔ ہر نعمت ملنے پر اس کا شکر ادا کرے گا۔ ہر آفت آنے پر اس کی رحمت کا طلب گار ہوگا۔ ہر مشکل میں اس سے رجوع کرے گا۔ ہر برائی کا موقع سامنے آنے پر اس سے ڈرے گا۔ ہر قصور سرزد

ہو جانے پر اس سے معافی چاہے گا۔ ہر حاجت پیش آنے پر اس سے دعا مانگے گا۔ غرض اٹھتے بیٹھتے اور دنیا کے سارے کام کاج کرتے ہوئے اس کا وظیفہ خدا ہی کا ذکر ہوگا۔ یہ چیز درحقیقت اسلامی زندگی کی جان ہے۔ دوسری جتنی عبادات ہیں ان کے لیے بہرحال کوئی وقت ہوتا ہے جب وہ ادا کی جاتی ہیں اور انھیں ادا کر چکنے کے بعد آدمی فارغ ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ وہ عبادت ہے جو ہر وقت جاری رہتی ہے اور یہی انسان کی زندگی کا مستقل رشتہ اللہ اور اس کی بندگی کے ساتھ جوڑے رکھتی ہے خود عبادات اور تمام دینی کاموں میں بھی جان اسی چیز سے پڑتی ہے کہ آدمی کا دل محض ان خاص اعمال کے وقت ہی نہیں بلکہ ہمہ وقت خدا کی طرف راغب اور اس کی زبان دائماً اس کے ذکر سے تر رہے۔ یہ حالت انسان کی ہو تو اس کی زندگی میں عبادات اور دینی کام ٹھیک اسی طرح پروان چڑھتے اور نشوونما پاتے ہیں جس طرح ایک پودا ٹھیک اپنے مزاج کے مطابق آب و ہوا میں لگا ہوا ہو۔ اس کے برعکس جو زندگی اس دائمی ذکر خدا سے خالی ہو اس میں محض مخصوص اوقات میں یا مخصوص مواقع پر ادا کی جانے والی عبادات اور دینی خدمات کی مثال اس پودے کی سی ہے جو اپنے مزاج سے مختلف آب و ہوا میں لگایا گیا ہو اور محض باغبان کی خاص خبرگیری کی وجہ سے چل رہا ہو۔ (تفہیم القرآن، ج ۴، ص ۹۶-۹۷)]

ذکر کا مقام و مرتبہ

ذکر اکبر: اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ط اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ط وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ (العنکبوت ۲۹: ۴۵) ''اے نبیؐ، تلاوت کرو اس کتاب کی جو تمھاری طرف وحی کے ذریعہ سے بھیجی گئی ہے اور نماز قائم کرو۔ یقیناً نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر اس سے زیادہ بڑی چیز ہے۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو''۔ یہ آیت کریمہ واضح دلیل ہے اس پر کہ اللہ کا ذکر فقط کبیر نہیں ہے بلکہ اکبر ہے اور یہی اس کی اہمیت اور عظیم مرتبے کی دلیل ہے۔

علما و مفسرین نے ذکر کے کئی واضح اور آسان معانی بیان کیے ہیں جو قابلِ توجہ ہیں اور

ذکر اکبر کی وضاحت کرتے ہیں۔

اول: اللہ کا ذکر ہر چیز سے بڑا اور افضل عبادت ہے کیوں کہ جملہ طاعات کا مقصود اللہ کے ذکر کا قیام ہے۔ وہ عبادات کا راز اور ان کی روح ہے۔ اس لیے کہ اس کی حقیقت اللہ سے تعلق' اس کی عظمت کا استحضار' اس کی نگرانی کا شعور اور اس کے انعامات کی یاد ہے۔ لہٰذا عبادات سب کی سب ذکر ہیں۔

دوم: جب تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہو تو وہ تمھارا ذکر کرتا ہے۔ اس کا تمھارے لیے ذکر' اس کے لیے تمھارے ذکر سے بہت بڑا ہے' اور یہ عظیم بات ہے۔ اے ضعیف اور عاجز انسان! تو قوی اور قادر مطلق اللہ کا ذکر کرتا ہے' تو فقیر اور حقیر انسان غنی اور عظیم اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ تیرے ذکر کے مقابلے میں اس کا ذکر کتنا عظیم اور کتنا بلند ہے!

سوم: اللہ کا ذکر اس سے بلند و برتر ہے کہ اس کے ساتھ فحش اور منکر باقی رہے بلکہ جب ذکر مکمل ہوتا ہے تو خطا اور معصیت کو مٹا دیا جاتا ہے۔ بخدا! ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ (تہذیب المدارج' ص ۴۶۳)

اجر عظیم: اگرچہ ذکر بذات خود بہت بڑی چیز ہے مگر اس کا اجر بھی بہت بڑا ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو وہ عمل نہ بتاؤں جو تمھارے سارے اعمال میں بہتر اور تمھارے مالک کی نگاہ میں پاکیزہ تر ہے۔ وہ تمھاری روحوں کو دوسرے تمام اعمال سے زیادہ بلند کرنے والا ہے اور راہِ خدا میں سونا اور چاندی خرچ کرنے سے بھی زیادہ اس میں خیر ہے' اور تمھارے لیے اس میں جہاد سے بھی زیادہ خیر ہے جس میں تم خدا کے دشمنوں کی گردنیں مارو اور وہ تمھاری گردنیں ماریں؟ صحابہؓ نے عرض کیا: کیوں نہیں' یارسولؐ اللہ! فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا: وہ اللہ عزوجل کا ذکر ہے۔ (مسند احمد' جامع ترمذی' ابن ماجه)

اللہ اکبر! کتنا بڑا درجہ ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں مال کے خرچ کرنے اور اس کی راہ میں جان قربان کرنے سے بھی بڑا ہے۔ غور کرو کہ کس طرح سے نبیؐ نے یہ بات فرمائی جو اس اجر کی عظمت کا اظہار کرتی اور اس کا شوق دلاتی ہے۔ آنحضورؐ نے اس سوال سے ابتدا کی جو

جاذب قلب ونظر ہے، اور سوال کا مضمون ایسا ترتیب دیا کہ جس سے اہل ایمان میں بے قراری، ان کے دلوں میں ولولہ اور جذبات میں تلاطم پیدا ہوا۔ وہ اسے جاننے کے لیے بے تاب، اس پر لبیک کہنے کے مشتاق اور عملی اقدام کے لیے کمربستہ ہوگئے۔ یہ ذکر کی اہمیت، اس کی بلند منزلت اور اس کے اظہار اور معانی کے واضح ابلاغ کا طریقہ تھا جو آنحضورؐ نے اختیار فرمایا۔

عبادات سے تعلق: ذکر طاعات کا نچوڑ اور عبادات کا جوہر ہے اور اکثر ظاہری فرائض اور شعائر کی بنیاد ہے۔ عبادات کی ادایگی سے قبل ان کے لیے تیاری ہوتی ہے اور ذکر ان کے اعمال اور ارکان کے ساتھ ان کے جزو کے طور پر ہوتا ہے اور عبادات سے فراغت پر اسی کے ساتھ ان کا اختتام ہوتا ہے۔

ہم نماز ہی کی مثال لیتے ہیں۔ ذکر نماز سے پہلے آتا ہے۔ اذان ذکر ہے جو تکبیر، تہلیل اور شہادتین کے الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے اور مؤذن کی متابعت سنت ہے۔ نبیؐ نے فرمایا: اذان سے فراغت کے بعد جس نے کہا: اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ وَالصَّلَاۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَا نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ (اے اللہ اس دعوت تامہ، کاملہ اور اس صلوٰۃ قائمہ کے رب! محمد (ﷺ) کو وسیلہ اور فضیلت کا خاص مرتبہ عطا فرما اور ان کو مقام محمود پر سرفراز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے) تو وہ بندہ قیامت کے دن میری شفاعت کا حق دار ہوگا (بخاری)۔ نماز سے قبل وضو، شرائط نماز میں سے ہے اور وضو سے فارغ ہونے کے بعد بھی ذکر ہے، جیسا کہ حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کردہ حدیث میں ہے کہ نبیؐ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جس نے کامل وضو کیا، پھر کہا: اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ مگر یہ کہ اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل گئے، جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے'' (مسلم)۔ اور ترمذی نے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ کا اضافہ کیا ہے۔

نص قرآنی کی رو سے نماز کا مقصود ذکر ہے۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ ۲۰:۱۴) ''اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر''۔ اس کا رکن اول، تکبیر تحریمہ ذکر ہے اور اس کا رکن اعظم

فاتحہ کی قرأت ذکر ہے۔ اور اس کے رکوع میں اللہ کے عظیم نام کی تسبیح ہے اور اس کے سجدے میں اس کے اسم اعلٰی کی تسبیح ہے اور رکوع سے اٹھنے پر حمد ہے اور ذکر ہے۔ اس کے دو سجدوں کے درمیان استغفار ہے اور ذکر ہے' اور نماز کی ادائیگی کے بعد ذکر کی ہدایت کی گئی ہے۔ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ (النساء ۴: ۱۰۳) ''پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے' ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو''۔ نبیؐ السلام علیکم کہنے کے بعد تین مرتبہ استغفر اللّٰہ کہتے جیسا کہ حضرت ثعبانؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ جب نماز سے سلام پھیرتے تو تین مرتبہ استغفار کی دعا کرتے اور کہتے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (مسلم) ۔ اور نمازوں کے بعد بہت سے اذکار مسنونہ کی روایت ہے۔ چنانچہ نماز ساری کی ساری ثنا ہے' خشوع و خضوع ہے اور دعا ہے۔

دوسری مثال حج کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ط فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ص وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ (البقرہ ۲: ۱۹۸) ''اور حج کے ساتھ ساتھ تم اپنے رب کا فضل بھی تلاش کرتے جاؤ' تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر جب عرفات سے چلو' تو مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس ٹھہر کر اللہ کو یاد کرو اور اسی طرح یاد کرو جس کی ہدایت اس نے تمھیں کی ہے''۔ حج کا آغاز ذکر ہی سے ہوتا ہے۔ احرام کی ابتدا تلبیہ سے ہوتی ہے اور یہ وہ ذکر ہے جس کے ساتھ آوازیں رب سموات وارض کی توحید اور اس کے حضور حاضری کے اعلان کے ساتھ بلند ہوتی ہیں۔ طواف اور سعی ذکر ہے' اور تکبیر ہے اور تہلیل' جیسا کہ نبیؐ نے فرمایا: ''بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی اور رمی جمار اللہ کے ذکر کے لیے مقرر کیے گئے ہیں''۔ عرفات کا وقوف پورے کا پورا اذکار اور دعائیں ہیں اور اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین کلمہ وہ ہے جو میں کہتا ہوں اور مجھ سے پہلے انبیا علیہم السلام نے کہا: لا الٰہ الا اللّٰہ۔ اور حج کے اختتام پر ذکر کی نصیحت ہے: فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (البقرہ ۲: ۲۰۰) ''پھر جب اپنے حج کے ارکان ادا کر چکو' تو

جس طرح پہلے اپنے آبا و اجداد کا ذکر کرتے تھے، اس طرح اب اللہ کا ذکر کرو، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر"۔ حتیٰ کہ جہاد میں صف بندی، تلواروں کے ٹکرانے اور اس میں موت کے وقت بھی ذکر کی ہدایت ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الانفال ۸: ۴۵) "اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، جب کسی گروہ سے تمھارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، توقع ہے کہ تمھیں کامیابی نصیب ہوگی"۔

اہل ذکر، سبقت لے جانے والے: ذکر بہت بڑی چیز ہے، اس کا اجر بہت بڑا ہے اور اہل ذکر سبقت لے جانے والے ہیں۔ جیسا کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: مفردون سبقت لے گئے۔ عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! مفردون کون ہیں؟ فرمایا: بکثرت ذکر کرنے والے مرد اور بکثرت ذکر کرنے والی عورتیں۔ (مسلم)

مفردین کے معنی میں ابن قتیبہ نے کہا ہے: وہ لوگ جن کی نسل ہلاک ہوگئی اور وہ تنہا رہ گئے اور اللہ کا ذکر کرتے ہوئے باقی رہے۔ اور ابن اعرابی نے کہا: وہ آدمی جس نے غور و فکر کیا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادایگی میں یکسو ہوگیا۔ اور ازہری نے کہا: وہ جو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے پیچھے رہ گئے ہیں (مسلم، بشرح النووی)۔ مقصد یہ ہے کہ وہ اس اہم صفت کے باعث جس نے ان کو سبقت لے جانے والے بنا دیا دوسروں سے ممتاز اور منفرد ہیں اور وہ صفت کثرتِ ذکر ہے۔

اہل ذکر کا بلند مرتبہ: اہل ذکر فقط نوع بشر کے ہی سابقین نہیں بلکہ وہ بزرگ فرشتوں کے، جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انھیں دیا جاتا ہے بجالاتے ہیں، مشابہ اور ان کے ہاں فخر و مباہات کے مقام پر فائز ہیں۔ وہ فرشتے جو فرماں برداری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، جن کی تخلیق عبادت پر ہے اور جو دن رات بغیر توقف کے اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں کیوں کہ ان کی پیدایش کی اصل اور ان کے وجود کی غایت ہی ذکر اور عبادت ہے۔ اور اس سب کچھ کے باوجود مومن اہل ذکر وہ بلند منزلت رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل ذکر کا فرشتوں سے فخر کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں۔ (تہذیب المدارج، ص ۴۶۶)

اس دلیل کی وضاحت حضرت معاویہؓ کی روایت سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے اصحاب کے حلقہ میں تشریف لائے اور استفسار فرمایا: کس چیز نے تمھیں یہاں بٹھایا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ''ہم اللہ کا ذکر اور اس کی حمد کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی طرف ہدایت دی اور اس کے ساتھ ہم پر احسان فرمایا۔ آنحضورؐ نے فرمایا: تمھیں اللہ کی قسم! کیا صرف اسی چیز نے تمھیں بٹھایا ہے؟ انھوں نے عرض کیا: بخدا! ہمیں صرف اسی چیز نے بٹھایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! میں نے تم سے حلف تمھارے اوپر کسی بدگمانی کے باعث نہیں لیا بلکہ میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے ہیں اور انھوں نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تمھارے اوپر فخر فرما رہا ہے''۔ (النہایہ' ۱/۱۶۹)

فرشتے مجالسِ ذکر تلاش کرتے ہیں' وہاں جمع ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو ان کی طرف بلاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے معزز فرشتے جو مجالس ذکر کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں' جونہی وہ کسی مجلس کو پالیتے ہیں جس میں ذکر ہو رہا ہو تو ان کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں' ایک دوسرے کو اپنے پروں سے ڈھانک لیتے ہیں حتیٰ کہ زمین اور آسمان دنیا کے مابین کو بھر دیتے ہیں (مسلم)۔ مشہور حدیث ہے: ''جب اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں لوگ کتاب اللہ کو پڑھتے ہیں اور ایک دوسرے کو سکھانے کے لیے جمع ہوتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے' رحمت انھیں ڈھانک لیتی ہے' فرشتے ان کا احاطہ کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے مقرب فرشتوں سے فرماتے ہیں'' (مسلم)۔ اور سب سے بڑی بات تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی: فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ (البقرہ ۲:۱۵۲) ''تم مجھے یاد رکھو' میں تمھیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر کرو' کفرانِ نعمت نہ کرو''۔ کون سا شرف اور کون سا فخر اس سے برتر ہے کہ اللہ رب العالمین انھیں یاد فرماتا ہے۔ حدیث قدسی ہے: ''میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں' جب وہ مجھے اپنے نفس میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ میرا ذکر مجمع میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر مجمع (فرشتوں) میں کرتا ہوں''۔

ذکر کے فوائد و ثمرات

اجر و ثواب کا آسان نسخہ

مسلمان ثواب کے حصول کا حریص اور زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا طلب گار ہے۔ طاعات میں کوشاں رہتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تم مصروفیات کی کثرت، مشکلات، دل کش بہکاووں اور تفریح گاہوں کے ہوتے ہوئے بھی فکرمند رہتے ہو کہ اپنی نیکیوں کے کھاتے میں اضافہ کرو۔ آؤ میں تمھیں بتاتا ہوں کہ ذکر اجر کے بہت بڑے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ میں تمھیں ذکر کے بڑے اجر و ثواب کا انکشاف کرنے والی نصوص کا چھوٹا سا مجموعہ پیش کروں گا جو سمندر میں سے ایک قطرے کے مصداق ہے۔

(الف) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: ''جس نے ہر فرض نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللّٰہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للّٰہ اور ۳۳ مرتبہ اللّٰہ اکبر کہا اور یہ ۹۹ ہوئے اور ۱۰۰ پورا کرنے کے لیے لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر کہا تو اس کی خطائیں معاف کر دی گئیں، اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں''۔ (مسلم)

(ب)۔ حضورؐ کا ارشاد ہے: ''دو کلمے ہیں جو زبان پر بہت ہلکے مگر میزان میں بہت وزنی ہیں، رحمان کو بہت پیارے ہیں: سبحان اللّٰہ و بحمدہ، سبحان اللّٰہ العظیم''۔ (متفق علیہ)

(ج) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ: ''جس نے لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر دن میں ۱۰۰ مرتبہ کہا تو اس کے لیے ۱۰ غلاموں کو آزاد کرنے کے ساتھ ۱۰۰ نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے ۱۰۰ گناہ مٹا دیے جائیں گے، اور اس دن شام تک وہ شیطان کے شر سے بچا رہے گا۔ اور جس شخص نے یہ پڑھا تو کوئی اس سے بہتر عمل نہ کر سکے گا سوائے اس کے جو اس عمل کو اس سے زیادہ کرے۔ (مسلم)

(د) حضورؐ نے فرمایا: ''مجھے سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر کہنا ہر اس چیز سے عزیز تر ہے جس پر سورج چمکتا ہے۔ (مسلم)

(ہ) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم رسولؐ اللہ کے پاس جمع تھے کہ آنحضورؐ نے فرمایا: ''کیا تم میں سے کوئی اس سے عاجز ہے کہ وہ روزانہ ہزار نیکیاں کما لے؟'' مجلس میں سے کسی نے سوال کیا: ''وہ ہزار نیکیاں کیسے کما سکتا ہے؟'' تو آپؐ نے فرمایا: ''وہ ۱۰۰ مرتبہ سبحان اللّٰہ کہے تو اس کے لیے ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی ہزار خطائیں مٹا دی جائیں گی۔'' (مسلم)

حفظ و سلامتی

اللہ تعالیٰ نے ذکر کرنے والے کے لیے ذکر کو شیطان کے وسوسے، اس کی برائی، اس کی پھونک اور تھوک سے حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے۔ لہٰذا ذاکر، اللہ کے اذن سے محفوظ رہتا ہے اور اسے کوئی تکلیف نہیں چھوتی۔ ذکر سے اسے محفوظ پناہ گاہ اور مضبوط باڑ حاصل ہے، اس لیے کہ اس کے دل میں اللہ کی یاد ہے اور اس کی زبان پر اللہ کا ذکر ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے:

ا- حضرت عبداللہ بن خبیبؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ: ''تم قل ھو اللّٰہ اور معوذتین صبح و شام تین تین مرتبہ پڑھو، وہ تمھارے لیے ہر چیز سے کفایت کریں گی۔'' (ابوداؤد، ترمذی)

ب- حضرت ابوہریرہؓ سے رسولؐ اللہ کا ارشاد مروی ہے کہ ''جب نماز کے لیے ندا دی جاتی ہے تو شیطان گوز اڑاتا ہوا پیچھے کو بھاگتا ہے اور جب اذان ہو چکتی ہے تو وہ آگے بڑھتا ہے۔ اور جب تکبیر کہی جاتی ہے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ جب اقامت ہو چکتی ہے تو آگے بڑھتا ہے۔ وہ آدمی کے دل میں وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے اور کہتا ہے فلاں چیز یاد کر، فلاں چیز یاد کر۔ جب تک کہ وہ یاد نہیں کر لیتا اس کو اس کی وسوسہ اندازی جاری رہتی ہے۔ حتیٰ کہ بندے کو کچھ یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے''۔ (متفق علیہ)

ج- حضرت انسؓ نے کہا کہ رسولؐ اللہ کا فرمان ہے: ''جو شخص اپنے گھر سے نکلا اور

اس نے بِسْمِ اللّٰہ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھ لیا تو اسے کہا جاتا ہے کہ تیرے لیے یہ کافی ہے اور تو بچ گیا اور تو نے ہدایت حاصل کر لی۔ اور شیطان کو اس سے ہٹا دیا جاتا ہے"۔(ترمذی)

د- حضرت عثمان بن عفانؓ نے کہا کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ "جو مسلمان ہر روز صبح اور شام کو بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (اس اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جس کے نام کے ساتھ زمین و آسمان میں کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی' وہ سننے اور جاننے والا ہے) ۳ مرتبہ پڑھے اسے کوئی شے نقصان نہیں دے گی"۔(ابوداؤد' ترمذی)

ھ- حضرت ابومسعود انصاریؓ نے حضورؐ سے روایت کیا ہے "جو شخص سورہ البقرۃ کی آخری دو آیات رات کے وقت پڑھ لے تو وہ اس کے لیے کفایت کریں گی"۔(متفق علیہ)

ذرا تم ان اثرات پر غور کرو جو ذاکر ہونے سے تم حاصل کرو گے۔ اپنے ماحول پر نظر دوڑاؤ اور اپنے اردگرد کے لوگوں کو دیکھو۔ تم دیکھو گے کہ کسی کو جن نے چھور رکھا ہے' کوئی سحرزدہ ہے یا اسے شیطان نے بہکا رکھا ہے' اور تم اللہ کے فضل سے اس سب کچھ سے محفوظ ہو۔ بلکہ اللہ عزوجل کا ذکر نفاق سے امان ہے کیوں کہ منافقین اللہ تعالیٰ کا ذکر کم ہی کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہے: لَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلاً (النساء ۴: ۱۴۲) "وہ خدا کو کم ہی یاد کرتے ہیں"۔ حضرت کعبؓ نے کہا: "جس نے اللہ کا ذکر کثرت سے کیا وہ نفاق سے بری ہو گیا (الوابل الصیب 'ص ۱۷۲-۱۷۳)۔ ابوخلاد المصری نے ذکر کی قلعہ بندی کے بارے میں کتنی عمدہ بات کہی ہے: "جو اسلام میں داخل ہوا وہ قلعہ میں داخل ہوا' جو مسجد میں داخل ہوا وہ دو قلعوں میں داخل ہوا اور جو اللہ کا ذکر کرنے والی مجلس میں بیٹھا وہ تین قلعوں میں داخل ہو گیا"۔(الوابل الصیب)

علم اور زندگی

ذکر دلوں کی زندگی اور غفلت ان کی موت ہے۔ ذکر سے دلوں کو حقیقی ایمان کی زندگی

ملتی ہے اور اللہ کے ساتھ دائمی تعلق قائم ہوتا ہے۔ حضورؐ سے روایت ہے: ''اپنے رب کو یاد کرنے والے اور اسے یاد نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے'' (بخاری)۔ مسلم کی روایت ہے: ''اس گھر کی مثال جس میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے زندہ کی' اور جس گھر میں ذکر نہیں ہوتا مردہ کی ہے''۔ گھر کے زندہ اور مردہ سے مراد گھر کے رہنے والے ہیں۔ ذاکر کے زندہ ہونے کا ظاہری پہلو یہ ہے کہ وہ نور حیات سے مزین ہے' اور اس کا باطن نور معرفت سے' جب کہ ذکر نہ کرنے والوں کے گھر ظاہری طور پر بنجر اور باطنی طور پر ویران اور تاریک ہوتے ہیں۔

جب دل زندہ ہوتا ہے تو وہ ایمان کے ساتھ آباد ہوتا ہے اور اسی وجہ سے نصیحت اس پر اثر انداز ہوتی ہے اور یاد دہانی اسے فائدہ دیتی ہے' وعدہ اسے طمع اور ترغیب دلاتا ہے اور وعید اسے خوف دلاتی ہے۔ پس وہ زندگی میں کامل اور بڑا اثر قبول کرنے والا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ:

(الف) وہ نرم ہوتا ہے نہ کہ سخت۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ (الزمر ۳۹:۲۳) ''اللہ کا ذکر (قرآن مجید) سن کر ان لوگوں کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں''۔ اور جس کا دل سخت ہوا اور وہ اسی حال میں مر گیا' اس کے بارے میں اللہ کا فیصلہ ہے: فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (الزمر ۳۹:۲۲) ''تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ کی نصیحت سے اور زیادہ سخت ہو گئے''۔ ایک شخص نے حسن بصریؒ سے کہا ''اے ابوسعید! میں تم سے اپنے دل کی قساوت کی شکایت کرتا ہوں''۔ انھوں نے کہا: ''اسے ذکر سے پگھلاؤ۔ یہ اس لیے کہ دل میں جتنی شدید غفلت ہوتی ہے' اتنی ہی شدید اس میں سختی آتی ہے اور جب اس میں اللہ کی یاد آتی ہے تو یہ قساوت تحلیل ہو جاتی ہے''۔

بے شک قرآن کریم زندہ دلوں کو تحریک دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (الانفال ۸:۲) ''سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے' اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں''۔ بلکہ ذکر کا اثر بہت بڑا ہے جیسا کہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَه' خَاشِعاً مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر ۵۹:۲۱) ''اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر بھی اتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے''۔

(ب) وہ یاد رکھنے والا نہ کہ بھلا دینے والا اور غور و فکر کرنے والا نہ کہ غفلت شعار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران ۳:۱۹۰-۱۹۱) ''زمین اور آسمانوں کی پیدایش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ان ہوش مند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں جو اٹھتے' بیٹھتے اور لیٹتے' ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور زمین اور آسمانوں کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) ''پروردگار' یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے' تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے رب' ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے''۔ جب اس نے عظمت تخلیق دیکھی تو اس نے خالق کو یاد کیا' اس کی تسبیح بیان کی' اسی کے بارے میں غور و فکر کیا اور نتیجتاً دل کی گہرائیوں سے توجہ اور عجز و نیاز کے ساتھ اس کو یاد کیا۔ پھر اس کے حضور میں آتش دوزخ کے عذاب سے بچنے کی دعا اور گریہ وزاری میں مشغول ہوا۔ ذکر کی بدولت زندہ ہونے کی تاثیر سے جس کے دل کی یہ کیفیت ہو تو اس کا دل علم و عمل اور فہم و ادراک کی بہترین حالت میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (البقرہ ۲:۲۸۲) ''اللہ کے غضب سے بچو' وہ تم کو صحیح طریق عمل کی تعلیم دیتا ہے اور اسے ہر چیز کا علم ہے''۔

پس جس نے اپنے رب کا ذکر کیا اس کا دل پاک و صاف ہو گیا' اس کا فہم بڑھ گیا' اللہ نے اس کے علم و فہم میں اضافہ کر دیا حتیٰ کہ اس کا دل صفائی اور شفافیت میں اس درجہ کو پہنچ گیا کہ وہ حق و باطل میں تفریق کر سکتا ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا وَّ یُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ط وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ

(الانفال ۸:۲۹) ''اے لوگو' جو ایمان لائے ہو' اگر تم خدا ترسی اختیار کرو گے تو اللہ تمھارے لیے کسوٹی بہم پہنچا دے گا اور تمھاری برائیوں کو تم سے دور کرے گا اور تمھارے قصور معاف کرے گا' اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے''۔ لیکن وہ جس کا دل مردہ ہو گیا وہ فہم وادراک سے محروم ہو گیا کیوں کہ دل دو چیزوں' غفلت اور گناہ سے زنگ آلود ہوتا ہے' اور اس کی جلا دو چیزوں' استغفار اور ذکر سے ہوتی ہے۔ پس جو اکثر اوقات غفلت میں رہتا ہو تو اس کے دل پر زنگ تہہ بہ تہہ چڑھ جاتا ہے اور وہ زنگ اس کی غفلت کی نسبت سے ہوتا ہے۔ اور جب دل زنگ آلود ہو جاتا ہے تو اس میں معلومات کی صورتیں اپنی اصلی حالت میں منعکس نہیں ہوتیں۔ وہ باطل کو بصورت حق دیکھتا ہے اور حق کو بصورت باطل۔ کیوں کہ تہہ بہ تہہ زنگ سے دل تاریک تر ہو جاتا ہے اور اس میں حقائق کی صورتیں اصلی حالت میں نہیں آتیں۔ پس جب دل پر تہہ بہ تہہ زنگ چڑھ گیا اور وہ بہت سیاہ اور میلا کچیلا ہو گیا تو اس نے اس کے فہم و ادراک کو روک دیا۔ (الوابل الصیب' ص ۸۹)

عبودیت اور استعانت

ذاکر' ذکر کے ساتھ اپنے رب کی بندگی کی حقیقت اور اس سے استعانت کی طلب کو اپنے ذہن میں تازہ کرتا ہے' کیوں کہ اذکار کے الفاظ اللہ کی عظمت کا اقرار' اور اس کی نعمتوں پر اس کی حمد اور اس کی توحید کا اعلان کرتے ہیں۔ جب ذاکر کہتا ہے: سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا اِلٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر' تو اس کو اس کا شعور بھی ہوتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس نے اپنے رب کو واحد باور کیا' اس کی تعظیم کی تو وہ اس کی جناب میں اپنے فقر کا شعور رکھتا ہے' اور اپنے آپ کو اس کے حضور میں گرا پڑا محسوس کرتا ہے اور اس کی مدد کا طلب گار رہتا ہے۔ اگر دوسرے رخ سے دیکھا جائے تو ذاکر ہر طرح کے حالات میں ذاکر ہوتا ہے' نتیجتاً وہ ہر عمل کی ابتداء میں یا حالات کے بدلنے پر اللہ کو یاد کرتا ہے تو اسے اپنی حاجت یاد آ جاتی ہے جس کے لیے وہ اللہ سے مدد کی درخواست کرتا ہے' مثلاً جب وہ گھر سے نکلتا ہے تو اس موقع کے لیے ایک ذکر ماثور ہے۔ جب اس نے ذکر کے وہ الفاظ کہے

تو اسے اپنے رب سے اپنی حفاظت اور اپنے رزق کے لیے مدد مانگنا یاد آ گیا اور جب وہ کسی موٹر کار یا کسی جانور پر سوار ہوا اور اس نے اللہ کا زبان سے ذکر کیا تو اس کے دل میں اللہ کی یاد آ گئی اور اسے اپنی حاجت کے لیے اللہ سے مدد مانگنے کا خیال آ گیا، اور اسی طرح سے جب اس نے لباس پہنایا اسے اتارا اور جب وہ سویا یا بیدار ہوا تو اس نے اللہ سے استعانت کی حاجت محسوس کی۔

بسم اللّٰہ کی مثال

ہم بسم اللہ کی واضح مثال لیتے ہیں جس کا ہر کام کے آغاز میں پڑھنا نبیؐ کی حدیث کی رو سے مستحب ہے۔ آنحضورؐ نے فرمایا: ''ہر وہ عمل جو بسم اللہ سے شروع نہ کیا گیا وہ بے برکت ہوا''۔ اعمال کے آغاز میں، نیز کثیر اذکار میں بسم اللہ وارد ہے۔ پس کھانا کھانے کے وقت بسم اللہ ہے، گھر میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت بسم اللہ ہے اور اس کے دو معانی ہیں:

۱- جب بندے نے کہا بسم اللہ تو اس کو اپنا خالق و مالک یاد آیا اور یہ کہ وہ عاجز بندہ ہے جو مسلسل اللہ کا ذکر کرتا اور اسی کا نام لیتا رہتا ہے اور اس کے فضل کا اعتراف کرتا رہتا ہے۔ دنیا میں لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر معاملے میں اپنے مالک کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ فرد کا نام اس کے مالک کے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ حالانکہ اعلیٰ مثال تو اللہ ہی کی ہے۔ پس اے انسان! تو بندگی میں اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اللہ کے نام کے ساتھ لوگوں سے مخاطب ہو۔

۲- بسم اللہ کہنے میں اللہ کی مدد کی طلب بھی ہے۔ جس طرح کہ کھانے کے وقت جب بندہ کہتا ہے کہ میں اللہ کے نام کے ساتھ کھاتا ہوں اور نکلنے کے وقت وہ کہتا ہے کہ میں اللہ کے نام کے ساتھ نکلتا ہوں، تو اس کے اندر بھی مدد کی طلب پائی جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بندے کے لیے مصائب برداشت کرنے اور آزمایشوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اللہ کا ذکر بہت بڑی تاثیر کا حامل ہے۔ مصیبت کے وقت وہ کہتا ہے: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (البقرہ ۲:۱۵۶) ''ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے'' تو اس کے نفس کو سکون اور دل کو اطمینان نصیب ہوجاتا ہے۔ اس کی عزیمت قوی اور

اس کی ہمت بلند ہو جاتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ کا ذکر مشکل کو آسانی' تنگی کو فراخی اور مشقت کو خفیف کر دیتا ہے۔ اللہ کا ذکر شدت کے بعد خلاصی' تنگی کے بعد فراخی' رنج و غم کے بعد اس سے رہائی ہے۔ وہ ذاکر کو قوت مہیا کرتا ہے۔ ذکر کے ساتھ وہ وہ کچھ کرنے کی استطاعت رکھتا ہے جو اس کے بغیر نہیں کر سکتا۔ (الوابل الصیب' ص ۱۶۳)

جب حضرت فاطمہؓ بنت محمدؐ نے اپنے والد گرامی جناب رسولؐ اللہ سے گھر کے کام میں معاونت کے لیے خادم مانگا تو آنحضورؐ نے انھیں اور ان کے شوہر حضرت علیؓ سے فرمایا: ''کیا تمھیں وہ چیز نہ بتاؤں جو تمھارے لیے خادم سے بہتر ہے؟ جب تم بستر پر لیٹو تو اللہ کی تسبیح ۳۳ مرتبہ' تحمید ۳۳ مرتبہ اور تکبیر ۳۴ مرتبہ کرو۔ یہ تم دونوں کے لیے خادم سے بہتر ہے'' (متفق علیہ)۔

طمانیت و سکینت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ ط اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد ۱۳:۲۸) ''جنھوں نے نبیؐ کی دعوت کو مان لیا' ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ خبردار رہنا اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے''۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کے لیے اطلاع ہے کہ وہ اپنے دلوں کو اللہ کے ذکر سے مطمئن کریں۔ وہ دلوں کے قلق و اضطراب کو زائل کر دے گا اور انھیں راحتیں اور لذتیں مہیا کرے گا۔ مزید یہ کہ وہ اللہ کے ذکر کے سوا کسی چیز سے مطمئن ہوتے بھی نہیں۔ کیوں کہ دلوں کے لیے ان کے خالق کی محبت' اس کے اُنس اور اس کی معرفت سے بڑھ کر کوئی چیز لذیذ نہیں۔ (تفسیر السعدی' ج ۴' ص ۱۰۸)

طمانیت' دل کا کسی چیز کے ساتھ سکون حاصل کرنا اور اضطراب و قلق کا خاتمہ ہے۔ (تہذیب المدارج ' ص ۵۰۳)۔ ذاکر کا سکونِ قلب خوش حالی و بدحالی' تنگی و فراخی ہر حال میں دائمی ہے۔

اگر ذکر سے یہاں مراد قرآن کریم ہے تو قرآن وہ ہے جس سے اہل ایمان کے دلوں کو طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ دل ایمان اور یقین کے بغیر مطمئن نہیں ہوتے اور ایمان و یقین کے حصول کا کوئی راستہ قرآن کریم کے علاوہ نہیں ہے۔ دل کا سکون اور اس کی طمانیت یقین سے ہے' جب کہ اس کا اضطراب اور قلق شک سے ہے۔ پس جس نے قرآن سے تعلق پیدا کر لیا تو اس سے اسے عقل کا اطمینان' نفس کی سکینت میسر آئی اور اس کے دل نے ایمان و یقین کے ساتھ سکون پا لیا۔

ذکر برکت ھے

اللہ تعالیٰ کا ذکر' ذاکرین کے افعال اور ان کے معمولات میں برکت پیدا کرتا ہے۔ ذکر منعم کی نعمت اور رازق کی عطا پر دل و دماغ میں اس کی یاد تازہ کرتا ہے۔ ذکر منعم کے شکر اور اس کی حمد پر مشتمل ہے۔ جس نے اللہ کی نعمت کا اقرار کیا اور اس پر اس کا شکر ادا کیا تو اللہ تعالیٰ نے وہ نعمت اس کے لیے محفوظ فرما دی بلکہ اس میں اضافہ فرمایا جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِىۡ لَشَدِيۡدٌ (ابراھیم ۱۴:۷) ''اگر شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفران نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے''۔

امام مسلم کی صحیح روایت کردہ حدیث پر غور کرو کہ حضورؐ نے فرمایا: ''اللہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ بندہ جب کھانا کھاتا ہے تو اس پر اللہ کی حمد بیان کرتا ہے اور جب کوئی مشروب پیتا ہے تو اس پر اللہ کی حمد بیان کرتا ہے' اور یہ سب کچھ کھانا اور پینا اسے کھلانے' پلانے' عطا کرنے والے کی یاد دلاتا ہے۔'' پس وہ منعم کی عظمت کو اپنے ذہن میں تازہ کرتے ہوئے اور اس کی نعمت کی قدر و قیمت کا اندازہ لگاتے ہوئے جو کہ اس نے انسانوں کے لیے آسان فرما دی ہے' اس کی حمد و شکر کے ساتھ اپنی زبان کو تر رکھتا ہے۔

پانی ہی کو لیجیے جو ایک نعمت ہے۔ اگر انسان کو اس سے محروم کر دیا جائے تو اس کی کتاب زندگی کا آخری صفحہ آ جائے اور وہ دنیا کو چھوڑ جائے۔ پانی کا ایک پیالہ شدید پیاس کی

حالت میں پوری دنیا کے برابر ہے' تو پھر ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ ہم نہ تو اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں اور نہ اس کا شکر ادا کرتے ہیں! کیا اس کی تذکیر و تنبیہ ہماری آنکھیں نہیں کھولتی؟ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (الملک ۶۷: ۱۴) "کیا وہی نہ جانے گا جس نے پیدا کیا ہے؟ حالانکہ وہ باریک بین اور باخبر ہے"۔ کیا ہم اس کی تحذیر سے نہیں ڈرتے؟ اَفَرَاَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ○ ءَ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ○ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ (الواقعہ ۵۶: ۶۸-۷۰) "کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا' یہ پانی جو تم پیتے ہو اسے تم نے بادل سے برسایا ہے یا اس کے برسانے والے ہم ہیں؟ ہم چاہیں تو اسے سخت کھاری بنا کر رکھ دیں' پھر کیوں تم شکرگزار نہیں ہوتے؟"

ذکر سے برکت حاصل ہوتی ہے' جب کہ اس کو مٹانے والی چیز کو روک دیا جائے اور ابلیس کے تسلط اور کھانے پینے میں شرکت سے تحفظ حاصل کر لیا جائے۔ حدیث میں ہے: "شیطان آدمی کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ کھانے پینے میں حصہ دار بن جاتا ہے' جب کہ اسے وہاں سے ہٹانے والا کوئی ذکر نہ ہو' روکنے والا کوئی مضبوط قلعہ نہ ہو اور اس کو رد کرنے والی کوئی دعا نہ ہو"۔

بیشتر لوگ اس ذکر مسنون سے بے خبر ہیں جو آدمی کو اپنی اہلیہ کے ساتھ مباشرت کے موقع پر کرنا چاہیے۔ غلبہ خواہش کے وقت اسے بھول جاتے ہیں' حالانکہ وہ بڑا اہم ذکر ہے۔ اللہ نے جو اولاد ان کے مقدر میں لکھی ہو' اس کے حفظ و امان میں اس ذکر کی تاثیر ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّاْتِیَ اَهْلَهٗ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا فَاِنَّهٗ یُقَدَّرُ بَیْنَهُمَا وَلَدٌ لَمْ یَضُرَّهٗ شَیْطَانٌ اَبَدًا (متفق علیه) "جب تم میں سے کوئی بیوی کے پاس جاتے وقت بسم اللہ کہے اور یہ کہے "اے اللہ! تو شیطان کے شر سے ہمیں بچا اور جو اولاد ہمیں عطا کرے اسے بھی بچا تو اگر ان کے بچہ مقدر ہوگا تو شیطان اس کو کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا"۔ اس حدیث میں مذکور اس حفاظت کے معانی میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شیطان اس پر اللہ کے نام کی برکت کی وجہ سے کبھی غالب نہ آئے گا۔ اس میں وہ سارے بندے پیش نظر ہیں جن کے متعلق کہا گیا ہے: اِنَّ عِبَادِیْ

لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغَاوِیْنَ (الحجر ۱۵: ۴۲) ''بے شک جو میرے حقیقی بندے ہیں ان پر تیرا بس نہ چلے گا۔ تیرا بس تو صرف ان بہکے ہوئے لوگوں پر ہی چلے گا جو تیری پیروی کریں''۔

اجر وثواب کے ان عظیم فوائد اور آثار پر غور کرو، نیز حفظ و سلامتی، زندگی اور علم، برکت اور نعمت، عبودیت اور استعانت اور جو اس سے بھی عظیم تر ہے اس پر غور کرو۔

کیا تم اپنے نفس کے لیے بخل کرنے اور اسے ان بھلائیوں اور برکتوں سے محروم رکھنے پر راضی ہو؟ کیا تم اجر سے بے نیاز ہو کر ذکر کو ترک کر دو گے، جب کہ وہ اجر کا بڑا ذریعہ اور سبب ہے؟

تم کیسے اپنے نفس کو شیطان کی تیر اندازی اور اپنے دل کو اس کے غلبے کے لیے کھلا چھوڑ دو گے، جب کہ تم ذکر کرنے والوں میں سے نہ ہوئے؟ اور تم اپنے دل کے روگ اور اس کی موت کا احساس نہ کرو گے، جب تم منکر پر نکیر نہ کرو گے اور اللہ کی حرمات کی حفاظت کے حریص نہ بنو گے؟

تم کیسے اپنے ضعفِ فہم اور قلتِ علم کی طرف توجہ کرو گے، جب کہ تم غافل رہو گے؟ اور تم کیسے اپنے خالق، اپنے مالک، اپنے رازق اور نعمتوں کے عطا کرنے والے کے ذکر سے غافل بنو گے؟ بلاشبہہ ان میں سے کوئی چیز بھی تمھیں پسند نہیں بلکہ تم ان سب سے پناہ مانگتے ہو۔ لہٰذا ذکر کی طرف بڑھو، اس کے خواہش مند بنو اور اس میں سے مسنون اذکار حفظ کر لو، ان کے ساتھ اپنے دل کو متحرک کرو اور اپنی عقل کو ان میں مشغول رکھو، اور اپنی زبان کو ان کے ساتھ تر رکھو تاکہ تم ذاکرین میں شمار کیے جاؤ اور علیین میں اٹھائے جاؤ۔

ذکر کی صفات و خصوصیات

ذکر کی اس تاثیر اور اجر کے ساتھ کچھ ایسی خصوصیات بھی ہیں جو ان کو اختیار کرنے میں مددگار ہیں۔

سہولت و آسانی

ذکر سہل ہے' مشکل نہیں۔ وہ کسی بدنی عمل کا محتاج نہیں اور نہ ذہنی کاوش ہی کا۔ وہ استحضار قلب اور تعاون نفس کے ساتھ زبان سے ادایگی ہے' جب کہ دوسری عبادات میں بڑی محنت ہوتی ہے۔ رمضان کے روزوں میں بھوک و پیاس کی مشقت ہوتی ہے۔ زکوٰۃ میں بذل و انفاق کی نفسیاتی مشقت ہوتی ہے۔ حج میں سفر اور مناسک کی ادایگی میں بدنی مشقت ہوتی ہے۔ مگر ذکر سب سے زیادہ آسان عبادت ہے اور پھر وہ ان میں سے برتر و افضل بھی ہے' جب کہ وہ زبان کی حرکت' اعضا و جوارح کی حرکات میں سے سب سے ہلکی اور آسان ہے۔ (الوابل الصیب' ص ۹۷)

مزید برآں ذکر کی کوئی شرائط نہیں ہیں' مثلاً نماز کے لیے وضو اور وقت کا ہونا ناگزیر ہے' اور حج کے لیے بیت اللہ کا قصد ضروری ہے' اور زکوٰۃ سال میں صرف ایک بار ہے' اور روزوں کے لیے رمضان کا چاند نظر آنا ضروری ہے لیکن ذکر میں اس طرح کی کوئی قید نہیں۔ وہ جملہ عبادات میں سے سب سے زیادہ آسان ہے جس میں کوئی محنت و مشقت نہیں۔ عبید بن عمیر نے اس بارے میں کہا ہے: ''اگر یہ رات تم پر بھاری ہے کہ تم اس کی مشقت جھیلو' اور اگر تم نے مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیا ہے' اور اگر تم دشمن خدا سے لڑنے سے اجتناب کرتے ہو تو کثرت سے اللہ عزوجل کا ذکر کرو۔''

جامعیت اور تنوع

ذکر بلا قید دن اور رات کے تمام اوقات پر مشتمل ہے۔ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآءِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰی (طٰہٰ ۲۰:۱۳۰) ''پس اے نبیؐ، جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں ان پر صبر کرو' اور اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرو' سورج نکلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کرو اور دن کے کناروں پر بھی' شاید کہ تم راضی ہو جاؤ''۔ اس کی ادایگی ہر جگہ اور ہر حال میں بیٹھے' کھڑے اور لیٹے کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

فرمان ہے: ''جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں'' (آل عمران ۳:۱۹۱)۔ اس طرح کا کوئی اور عمل نہیں ہے جس میں اوقات واحوال کی عمومیت پائی جاتی ہو۔(الوابل الصیب، ص ۱۰۸)

اس مرحلے پر ہم رسولؐ اللہ کے معمول مبارک سے متعارف ہوتے ہیں کہ حضورؐ ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ اور ذکر میں تنوع وہ خصوصیت ہے جو بہت سارے اذکار مسنون کے ضمن میں نمایاں ہے۔ دعاے استفتاح میں رسولؐ اللہ سے متنوع صورتیں وارد ہیں اور صبح وشام کے بہت سے اذکار ہیں جن میں سے بعض دوسروں سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔

ہم آہنگی و بلاواسطہ

ذکر جس میں قلب زبان کے ساتھ ہوتا ہے، نفس پر اس کی عظیم اور براہ راست تاثیر ہوتی ہے، اس لحاظ سے کہ وہ زبان کے ساتھ ہم آہنگ ہوتا ہے۔ جس پر کوئی مصیبت آپڑی اور اس نے کہا: انا للّٰه وانا الیه راجعون اور لا حول و لا قوۃ الا باللّٰه تو اس نے شرح صدر اور اطمینان قلب محسوس کیا اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اس کی تقدیر پر اپنی رضا کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''تم مجھے یاد رکھو میں تمھیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرو، کفران نعمت نہ کرو۔ اے لوگو، جو ایمان لائے ہو صبر اور نماز سے مدد لو'' (البقرہ ۲: ۱۵۲-۱۵۳)۔ اسی لیے ہم سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم کی تلاوت ہر مصیبت میں جاے پناہ اور ہر تکلیف میں موجب راحت ہے۔

ذکر کی اقسام

ذکر کی کئی قسمیں ہیں۔ ابن القیمؒ نے کہا ہے: ''ذکر کی تین قسمیں ہیں: وہ ذکر جس میں دل زبان کا رفیق ہو، وہ سب سے اونچا درجہ ہے۔ اور دل کے ساتھ ذکر اس کا دوسرا درجہ ہے۔ اور صرف زبان سے ذکر اس کا تیسرا درجہ ہے۔'' (تہذیب المدارج، ص ۴۶۷)

ابن حجرؒ نے کہا ہے: ''ذکر بعض اوقات زبان سے ہوتا ہے اور اس پر ذاکر کو اجر دیا جاتا ہے اور اس کے معانی کا استحضار شرط نہیں ہے۔ لیکن وہ اس سے مشروط ہے کہ اس کا مقصود

اس کے معنی کے علاوہ کچھ اور نہ ہو اور اگر الفاظ کے ساتھ دل کو ملا لیا جائے تو وہ کامل تر ہے۔ اگر زبان وقلب کے ساتھ معنی کو جمع کر لیا جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت پر مشتمل ہو اور اس کے نقائص سے مبرا ہو تو اس کے کمال میں اضافہ ہو جائے گا' اور اگر یہ ذکر نماز اور جہاد جیسے دیگر فرائض میں واقع ہو تو اس کا کمال اور بڑھ جائے گا۔ اگر اس میں توجہ بھی درست ہو اور نیت بھی خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو کمال آخری حد کو پہنچ جائے گا" (الفتح 'ج ۱۱' ص ۲۰۹)۔

فخر الدین رازیؒ نے کہا ہے: "زبان کے ذکر سے مراد وہ الفاظ ہیں جو اللہ کی تسبیح' تحمید' تکبیر اور تمجید پر دلالت کرتے ہوں۔ دل کے ساتھ ذکر' اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے شواہد میں غور وفکر کرنا ہے۔ اللہ کی تخلیق کے آثار میں غور وفکر' نیز اوامر ونواہی کے دلائل میں سوچ بچار' حتیٰ کہ بندہ ان کی حکمت سے آگاہ ہو جائے۔ اعضاے جسمانی کے ساتھ ذکر دراصل طاعات میں شدتِ انہماک ہے"۔ (الفتح 'ج ۱۱' ص ۲۰۹)

ابن القیمؒ نے کہا ہے: "ذکر کی تین قسمیں ہیں: ثنا' دعا اور رعایت۔ ذکرِ ثنا یوں ہے: سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله اكبر۔ ذکرِ دعا: رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا سکتة وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف ۷:۲۳) "اے رب' ہم نے اپنے اوپر ستم کیا اور اگر تُو نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم گمراہ ہو جائیں گے"۔ یاحی یاقیوم برحمتك استغیث۔ اور جہاں تک ذکرِ رعایت کا تعلق ہے تو وہ ذاکر کے اس قول کے مثل ہے: اللهم معی' الله ناظر علی' الله شاهدی' اور اس طرح کا ذکر جس سے اللہ کے ساتھ حضوری کی تقویت استعمال کی جاتی ہے۔ اور اس میں دل کی اصلاح کی رعایت ہو' اللہ تعالیٰ کے ساتھ ادب کی حفاظت' اور غفلت اور شیطان اور نفس کی برائی سے اجتناب ہو۔ (تہذیب المدارج 'ص ۴۶۸)

ذکر کس لیے؟

[اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کی ضرورت واہمیت کے حوالے سے فرمایا: "اے نبیؐ، اپنے رب کو صبح وشام یاد کیا کرو۔ دل ہی دل میں زاری اور خوف کے ساتھ اور زبان سے

بھی ہلکی آواز کے ساتھ۔ تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں''۔ (الاعراف ۷:۲۰۵)

یاد کرنے سے مراد نماز بھی ہے اور دوسری قسم کی یاد بھی، خواہ وہ زبان سے ہو یا خیال سے۔ صبح و شام سے مراد یہی دونوں وقت بھی ہیں اور ان اوقات میں اللہ کی یاد سے مقصود نماز ہے، اور صبح و شام کا لفظ ''دائماً'' کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس سے مقصود ہمیشہ خدا کی یاد میں مشغول رہنا ہے...... اس کی غرض یہ بیان کی گئی ہے کہ تمھارا حال کہیں غافلوں کا سا نہ ہو جائے۔ دنیا میں جو کچھ گمراہی پھیلی ہے اور انسان کے اخلاق و اعمال میں جو فساد بھی رونما ہوا ہے اس کا سبب صرف یہ ہے کہ انسان اس بات کو بھول جاتا ہے کہ خدا اُس کا رب ہے اور وہ خدا کا بندہ ہے اور دنیا میں اُس کو آزمایش کے لیے بھیجا گیا ہے اور دنیا کی زندگی ختم ہونے کے بعد اسے اپنے رب کو حساب دینا ہوگا۔ پس جو شخص راہِ راست پر چلنا اور دنیا کو اُس پر چلانا چاہتا ہو اُس کو سخت اہتمام کرنا چاہیے کہ یہ بھول کہیں خود اُس کو لاحق نہ ہو جائے۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۱۴-۱۱۵)]

[ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ''یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اُس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو اُن کے لیے اُتاری گئی ہے''۔ (النحل ۱۶:۴۴)

تشریح و توضیح صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ اپنے عمل سے بھی، اور اپنی رہنمائی میں ایک پوری مسلم سوسائٹی کی تشکیل کر کے بھی، اور ''ذکرِ الٰہی'' کے منشا کے مطابق اُس کے نظام کو چلا کر بھی۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے وہ حکمت بیان کر دی ہے جس کا تقاضا یہ تھا کہ لازماً ایک انسان ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا جائے۔ ''ذکر'' فرشتوں کے ذریعہ سے بھی بھیجا جا سکتا تھا۔ براہِ راست چھاپ کر ایک ایک انسان تک بھی پہنچایا جا سکتا تھا۔ مگر محض ذکر بھیج دینے سے وہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت و ربوبیت اس کی تنزیل کی متقاضی تھی۔ اُس مقصد کی تکمیل کے لیے ضروری تھا کہ اس ''ذکر'' کو ایک قابل ترین انسان لے کر آئے۔ وہ اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ جن کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئے اس کا

مطلب سمجھائے۔ جنھیں کچھ شک ہو ان کا شک رفع کرے۔ جنھیں کوئی اعتراض ہو ان کے اعتراض کا جواب دے۔ جو نہ مانیں اور مخالفت اور مزاحمت کریں اُن کے مقابلے میں وہ اُس طرح کا رویہ برت کر دکھائے جو اِس ''ذکر'' کے حاملین کی شان کے شایاں ہے۔ جو مان لیں انھیں زندگی کے ہر گوشے اور ہر پہلو کے متعلق ہدایات دے' ان کے سامنے خود اپنی زندگی کو نمونہ بنا کر پیش کرے' اور ان کو انفرادی و اجتماعی تربیت دے کر ساری دنیا کے سامنے ایک ایسی سوسائٹی کو بطور مثال رکھ دے جس کا پورا اجتماعی نظام ''ذکر'' کے منشا کی شرح ہو۔ (ایضاً' ص ۵۴۳)]

اے میرے بھائی اور اے میری بہن!

تم نے دیکھ لیا ہے کہ ذکر میں کتنی بھلائیاں ہیں۔ وہ کتنا سہل و آسان ہے۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ اوقات کے حوالے سے اس میں کتنی وسعت ہے؟

عظیم نعمتیں ہیں جو اللہ نے ہماری طرف بھیجی ہیں' تو کیا ہم ان سے غافل رہیں اور محرومین میں سے ہو جائیں؟ ہماری زندگی میں غفلت' اچانک وارد ہونے والا خطرہ ہے۔ دل بہلاوے اور اکتاہٹیں بہت زیادہ ہوگئی ہیں۔ جھوٹ اور گھٹیا کلام' ناجائز دولت' گستاخ شاعری' غیبت کی اشاعت' چغلی کی کثرت' باہمی گالی گلوچ اور بڑی برائیوں کے ساتھ زبان درازی کو بہت فروغ حاصل ہوا ہے اور اس سب کچھ نے قلب کے نور کو بجھا دیا ہے اور اس کی قساوت کو بڑھا دیا ہے۔ بلائیں بڑھ گئی ہیں اور مصیبتیں شدید ہوگئی ہیں' جب کہ اللہ کے سوا انھیں کوئی دور کرنے والا نہیں۔

غفلت بلاشبہہ دنیا میں بیماری ہے' اور آخرت میں ندامت و بدبختی۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا: ''جو لوگ بیٹھے اور اس نشست میں اللہ کا ذکر نہیں کیا تو یہ نشست ان کے لیے حسرت اور خسران کا باعث ہوگی۔ اللہ چاہے گا تو سزا دے گا اور چاہے گا تو معاف فرما دے گا'' (ترمذی)۔ افسوس اور حسرت ہے غفلت شعاروں پر...!

ذکر کی مجالس فرشتوں کی مجالس ہیں اور غفلت کی مجلسیں شیطان کی مجلسیں ہیں' اور جس کی جس کے ساتھ نسبت ہے وہ اسی کی مثل ہے (الوابل الصیب' ص ۱۵۸)۔ تم دونوں میں سے کس فریق کے ساتھ ہونا چاہتے ہو؟

آخر میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا قول ہے: "ذکر دل کے لیے ایسا ہی ہے جیسا مچھلی کے لیے پانی۔ مچھلی جب پانی سے جدا ہوتی ہے تو اس کا کیا حال ہو جاتا ہے؟ (الوابل الصیب، ص ۹۳)۔ یہ وہ معروف سوال ہے جس کا جواب ہے: "احتیاط، غفلت سے احتیاط، اور اللہ ہی اللہ کا ذکر"۔

بعید نہیں کہ اللہ ہمیں ذاکرین میں سے بنا دے اور ذکر کی بدولت ہمارے اجر بڑھا دے، اس کے لیے ہمارے سینوں کو کھول دے اور اس کے باعث ہمارے رنج و غم مٹا دے اور اس کے ساتھ ہماری روحوں کو راحت حاصل ہو!

اَللّٰھُمَّ اَعِنَّا عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ

اے اللہ! تُو اپنے ذکر، اپنے شکر اور اپنی بہترین عبادت میں ہماری مدد فرما۔

(المجتمع، شمارہ ۱۴۸۳-۱۴۸۵)

محبت کی زندگی

خرم مرادؒ

محبت کا لفظ خود اپنے اندر بڑی مٹھاس' کشش' کیف' لذت اور مزہ رکھتا ہے۔ کسی کے بھی تعلق کے ساتھ یہ لفظ بولا جائے تو دل میں زندگی کی ایک رو دوڑ جاتی ہے۔ ہم سب ہی محبت کے مزے سے آشنا ہوتے ہیں۔ یہ کوئی انوکھی اور اجنبی چیز نہیں ہے۔ انسانوں کے تعلق سے بھی' محسوسات کے تعلق سے بھی' مال و دولت کے تعلق سے بھی' اپنی عزت اور آن کے تعلق سے بھی' اور خود اپنے نفس سے محبت کے تعلق سے بھی ہم سب خوب جانتے ہیں کہ محبت کیا چیز ہوتی ہے اور محبت کا مزہ اگر دل کو لگ جائے اور دل میں اتر جائے تو یہ کیا کرشمہ دکھاتی ہے۔ عام مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ شاید یہ وہ مقام اور درجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے بڑے برگزیدہ بندوں کو حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تو ایمان کی نشانی' ایمان کی شرط اور ایمان کی روح ہے۔ ایمان کا راستہ ہی عشق و محبت کا راستہ ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط (البقرہ ۲:۱۶۵) ''ایمان رکھنے والے اللہ کو سب سے بڑھ کر محبوب رکھتے ہیں''۔ جو بھی ایمان لائیں گے وہ سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کریں گے۔ اس کے دین پر عمل کریں گے' اُس کے دین کو قائم کریں گے۔ اپنی محبت کو پہلے بیان فرمایا ہے کہ جو اس کی راہ پر آجائے' اس کی راہ پر چل پڑے' اپنے آپ کو اس کے دین کے لیے لگا دے تو وہ اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے پیار کرتا ہے۔ دیکھیے یہ آگ دونوں طرف برابر لگی ہوئی ہے۔ یُحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗٓ (المائدہ ۵:۵۴) ''اللہ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں''۔

یہ محبت تو ایمان کی روح اور ایمان کی جان ہے۔ اِس کے بغیر تو ایمان چند الفاظ کا مجموعہ ہے جو زبان سے ادا ہو جائے، ایک لباس ہے جس کو آدمی وضع قطع اور چال ڈھال کے مختلف طریقوں سے اپنے اوپر اوڑھ لے۔ لیکن اصل ایمان تو وہ ہے جو دل کو بھی لذّت بخشے اور جس کے پیچھے چلنے میں مزہ بھی آئے۔ اسی لیے نبی کریمؐ نے یہ بھی فرمایا: کہ جن چیزوں سے ایمان کی مٹھاس حاصل ہوتی ہے اُن میں سے ایک یہ ہے کہ، اِن یکون اللّٰہ والرسول احب الیہ ممن سوآء علیھم، اللہ اور اس کے رسولؐ ان دو کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ پیارے اور محبوب ہو جائیں۔ جب یہ کیفیت ہوتی ہے تبھی ایمان دل میں اترتا ہے، ایمان کا مزہ ملتا ہے اور ایمان میں لذّت آتی ہے۔

ایمان کے مطالبے آدمی دل کے تقاضے سے پورے کرتا ہے۔ محبت کی راہ میں کسی کو دھکا نہیں دینا پڑتا ہے کہ جاؤ اس کے کوچے میں جاؤ، جو محبوب ہے اس کی گلی میں جاؤ، اس کے دروازے پر جاؤ، اس کو یاد کرو، اس کا نام لکھو۔ یہ سب سبق کسی کو پڑھانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ محبت خود ہی استادوں میں سب سے بڑی استاد ہے، سکھانے والوں میں سب سے بڑی سکھانے والی اور قوتوں میں سب سے بڑی قوت ہے۔ یہ انسانوں کے دل فتح کر لیتی ہے، جمادات اور نباتات کے دل فتح کر لیتی ہے۔ کسی پودے کو آپ پیار دے کر دیکھیے، پانی دیجیے، خبر گیری کیجیے وہ لہلہا اٹھتا ہے، رنگ برنگ کے پھول آپ کی گود میں ڈال دیتا ہے۔ جس کو بھی آپ محبت دیں گے وہ مفتوح ہو جائے گا۔ اس کا دل بھی فتح ہو جائے گا اور وہ آپ کا غلام بھی بن جائے گا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور اللہ کے واسطے سے اور بہت ساروں کی محبت، یعنی اس کے رسولؐ کی، اُس کی کتاب کی، اُس کے دین کی، اُس کی امت کی اور اس کی راہ میں ساتھ چلنے والوں کی۔ یہی محبت کی زندگی ہے۔ اِس کی کمی اُن سارے مسائل کی جڑ ہے جو ہمیں درپیش ہیں۔ جتنی یہ محبت پیدا ہوتی جائے گی، دل میں اترتی جائے گی اور جتنی رچتی بستی جائے گی اتنا ہی مسائل کا جنگل صاف ہوتا چلا جائے گا۔ اس لیے میرے بھائیو اور بہنو سب سے بڑھ کر تو اسی محبت کی فکر کرنی چاہیے۔

یہ محبت مصنوعی ذرائع سے پیدا نہیں کی جاسکتی۔ یہ اس طرح کی طبعی چیز بھی نہیں ہے جس طرح باپ کو بیٹے سے ہو جاتی ہے' ایک مرد کو عورت سے ہو جاتی ہے یا آدمی کو کسی حسین چیز سے ہو جاتی ہے۔ لیکن حُسن' جمال اور کمال اگر سب سے بڑھ کر کسی کے پاس ہے تو وہ حبیب حبیبِ عالمؐ ہیں۔ اُسی کے حُسن کا ایک جلوہ ہے جو کائنات میں ہر جگہ دکھائی دیتا ہے۔ جدھر بھی دیکھیں گے حُسن بکھرا ہوا ہے' پہاڑوں اور درختوں اور پھولوں اور پرندوں میں' ہر جگہ اُس کا حسن جلوہ گر ہے۔ یہی حسن ازلی' ابدی اور اعلیٰ ہے۔

حسن سے ہی احسان نکلا ہے۔ احسان کی کوئی حد نہیں ہے۔ ہر ذی نفس کا ہر سانس جو اندر جاتا ہے وہ بھی اُس کا احسان ہے اور جو باہر آتا ہے وہ بھی اس کا احسان ہے۔ ہر لقمہ جو آدمی اپنے ہاتھ سے منہ میں رکھ رہا ہے یہ اسی کی توفیق و عنایت ہے۔ انسان خود نہیں رکھتا۔ پانی کا ہر گھونٹ جو آدمی سمجھتا ہے کہ میں نے اٹھا کر پیا ہے وہی پلاتا ہے۔ وَالَّذِیْ ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ○ (الشعراء ۲۶:۷۹) ''وہی ہے جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے''۔ آدمی دوا کھا کر سمجھتا ہے کہ میں تو ٹھیک ہو گیا' ڈاکٹر نے بڑی اچھی دوا دی لیکن حقیقت یہ ہے کہ وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ ○ (الشعراء ۲۶:۸۰) ''جب بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا بخشتا ہے''۔ کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو اس کے بغیر مل سکتی ہے۔ اگر مل سکتی تو دینے والا خود خدا بن جاتا اور جو خدا سے بے نیاز ہو کر دے سکتا وہ تو خود خدا ہوتا۔ کائنات میں دو خدا تو نہیں ہیں۔ ایک ہی خدا ہے۔ دینے والا بھی ایک ہی خدا ہے' کوئی اور نہیں ہے اور ہو نہیں سکتا۔

محبت میں یہ تقاضا نہیں ہے کہ صرف اُسی سے محبت ہو' بلکہ یہ تقاضا ہے کہ سب سے بڑھ کر اس سے محبت ہو۔ اس نے اور بھی محبتیں رکھی ہیں' اور بھی چیزوں کو محبوب بنایا ہے: مال کی محبت' عزیز و اقربا کی محبت' دنیا میں اپنے لیے عز و جاہ کی محبت' یہ سب اُسی نے رکھی ہیں۔ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط (آلِ عمران ۳:۱۴) ''لوگوں کے لیے مرغوبات نفس --- عورتیں' اولاد' سونے چاندی کے ڈھیر' چیدہ گھوڑے' مویشی اور زرعی زمینیں --- بڑی خوش آیند بنا دی گئی ہیں''۔ بہت ساری چیزیں ہیں جن کی محبت رکھ دی گئی۔ لیکن فرمایا کہ سب

سے بڑھ کر محبت تو اُسی کے لیے ہوئی چاہیے۔ جب اس کی محبت کا تقاضا آ جائے تو وہ سب پر غالب ہونا چاہیے۔ اس میں پھر کوئی اشتباہ کی گنجایش نہیں ہونی چاہیے۔ اسی لیے قرآن مجید میں تو نہیں' لیکن سابقہ صحف سماوی میں اللہ تعالیٰ جب اپنی محبوب امت سے بات کرتا ہے تو جو استعارے اور تشبیہات استعمال کرتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ اے میری محبوب امت! تو بدکار عورت کی طرح جگہ جگہ جا کر آشنائیاں کیوں کرتی ہے؟ یہود و نصاریٰ سے اللہ تعالیٰ جب خطاب کرتا ہے تو کہتا ہے کہ بدکار عورت کی طرح جگہ جگہ آشنائیاں کیوں کرتے پھرتے ہو؟ در در پر جا کر سر کیوں جھکاتے ہو؟ میرے ہو جاؤ تو میں تمھارا ہوں۔ جب میں تیرا ہوں تو دنیا میں تجھے اور کس کی ضرورت ہے؟ کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

اگر ہم اس کا کام کرنے کے لیے کھڑے ہوئے ہیں تو کتنا ہی ہم سر مار لیں' کوشش کر لیں' اُسی کے بن جانے اور اُسی کی محبت میں غرق ہوئے بغیر یہ راہ طے نہیں ہوسکتی۔ مجھے تو اس بات کا یقین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود یہ فرمایا ہے کہ اگر تم نہیں تو پھر دوسری قوم لاؤں گا اور سب سے بڑھ کر اُن کی پہلی صفت یہی ہوگی کہ وہ محبت کی زندگی گزاریں گے' میں اُن سے محبت کروں گا وہ مجھ سے محبت کریں گے۔ باقی صفات کا ذکر تو بعد میں آتا ہے سب سے پہلے یہ ہے' اس کے بعد ہی وہ کام کرسکیں گے جو اُن کے سپرد کیا گیا ہے۔

محبت کوئی اجنبی چیز تو نہیں' جانی پہچانی چیز ہے۔ اگر آپ پوچھیں کہ محبت کیا ہوتی ہے تو کوئی اس طرح بتا نہیں سکتا کہ محبت کیا ہوتی ہے۔ لیکن کس کو ان میں سے ہر چیز کا تجربہ نہیں ہے۔ محبت ہوتی ہے تو اُسی کی طرف دھیان لگا رہتا ہے' اسی کا خیال رہتا ہے' اُسی کا نام زبان پہ رہتا ہے۔ اُس سے ملاقات کے لیے جو موقع مل جائے غنیمت ہوتا ہے۔ اگر پانچ وقت مل جائے تو اس سے بڑھ کر محبت کرنے والے کی اور کیا سعادت ہوسکتی ہے؟ خود بلائے' دروازہ کھول دے' یہ تو اس کا بہت بڑا قُرب دینے اور قریب کرنے کا اعلان ہے۔ جب اُس سے روبرو ملاقات کی گھڑی آئے تو اُس سے ملاقات کا شوق اسی محبت کی علامت اور نشانی ہے۔ پھر جو کام کریں اس طرح کریں کہ اُس کو خوش کردیں۔ انسان دُھن میں لگا ہو تو کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ خود ہی دُھن میں لگا رہتا ہے۔ دھیان اسی میں لگا رہتا ہے اور ایسے ایسے کام بھی

کرتا ہے جو محبوب نے فرض اور لازم نہیں کیے۔ جو فرض کیے وہ تو بجالاتا ہے مگر جو فرض نہیں کیے اُن کے پیچھے بھی لگا رہتا ہے کہ اس سے بڑھ کر تو قربت کا کوئی ذریعہ ہی نہیں۔ کہاں سے' کس طرح' کون سا ایسا موقع مل جائے جس سے اُس کو خوش کر دوں اور اس کے قریب ہوتا چلا جاؤں۔

یہ سب محبت کی وہ علامتیں ہیں جو سب جانتے ہیں۔ دل میں ایک آگ لگ جاتی ہے اور اس آگ کے اندر سب تعلقات بھسم ہو جاتے ہیں۔ ایک ہی تعلق طاری رہتا ہے اور دل کے اوپر چھا جاتا ہے۔ یہ سب نشانیاں آپ جانتے ہیں۔ اس کی میزان میں رکھ کے اپنے دل کو تول سکتے ہیں۔ اس کی ملاقات' اُس کا ذکر' اُس کی یاد' اُس کی رضا' اُس کی خوشنودی کی کوشش زندگی کے اندر کتنی ہے' خود اپنے اندر پیدا کریں' جو ساتھی آپ کے ساتھ چل رہے ہیں' دو ہوں' چار ہوں یا جتنے بھی' ان کے اندر پیدا کریں' آپ کا اور آپ کے کام کا نقشہ بدل جائے گا۔ وہی کام جو آپ ٹہل ٹہل کر کرتے ہیں' وہ دوڑ دوڑ کر کریں گے۔ وہی زبانیں جو دعوت کے لیے نہیں کھلتیں' وہ کھلنے لگیں گی' اس لیے کہ پھر میں خود زبان بن جاتا ہوں۔ وہی پاؤں جواب نہیں اُٹھتے' وہ اٹھنے لگیں گے' اس لیے کہ وہ ہاتھ میں خود بن جاتا ہوں۔ وہی ہاتھ جو کام نہیں کرتے' وہ کام کرنے لگیں گے اس لیے کہ وہ پاؤں میں خود بن جاتا ہوں۔ یہی وہ مقام ہے جب آدمی دوڑ دوڑ کے اس کے لیے کام کرتا ہے۔ ایک مختصر سی دعا حدیث میں آتی ہے کہ:

رَبِّ اجْعَلْنِیْ لَکَ ذَکَّارًا لَکَ شَکَّارًا لَکَ رَھَّابًا لَکَ مِطْوَاعًا لَکَ مُطِیْعًا اِلَیْکَ مُخْبِتًا اِلَیْکَ اَوَّاھًا مُّنِیْبًا (ترمذی' عن ابن عباسؓ)

اے میرے اللہ' مجھے ایسا بنا دے کہ تجھے بہت یاد کروں' تیرا بہت شکر کروں' تجھ سے بہت ڈرا کروں' تیری بہت فرمانبرداری کیا کروں' تیرا بہت مطیع رہوں' تیرے آگے جھکا رہوں' اور آہ آہ کرتا ہوا تیری ہی طرف لوٹ آیا کروں۔

یہ سب محبت کی تصویریں ہیں: خوب ہر وقت مجھے یاد کرو۔ ہر وقت میرا شکر کرتے رہو۔ خوف بھی ہو' محبت بھی۔ محبت اور خوف کا ایک دوسرے کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جہاں محبت ہوتی ہے وہاں دل ہر وقت دھڑکتا رہتا ہے' پتا نہیں کب یہ محبت چھن جائے۔ اس کا خوف ہوتا

ہے کہ کوئی ایسا کام نہ ہو جائے جو محبوب کو ناگوار گزرے۔ یہ کوڑے کا خوف نہیں ہوتا بلکہ یہ خوف اس کا ہوتا ہے کہ نہ جانے کب کوئی ایسی چیز ہو جائے جس سے میرا محبوب' میرا رب مجھ سے ناراض ہو جائے۔ دوڑ دوڑ کر تیرے کام کروں۔ جو فرض نہیں ہیں وہ بھی کروں۔ لَكَ مُطِيعًا تیرا بہت مطیع رہوں اور لَكَ مُخْبِتًا اور تیری طرف جھکا رہوں اور ہائے ہائے واہ واہ کر کے تیرے در پہ لوٹ آیا کروں۔

حبیب کے حبیبؐ نے فرمایا کہ اللہ سے اس لیے محبت کرو کہ اس کے انعامات تم پر بے پایاں ہیں اور مجھ سے اللہ کے لیے کرو (ترمذی)۔ جو اللہ کا حبیب ہے' اللہ نے اس کو اپنے کام کے لیے بھیجا ہے۔ اُس کے ذریعے اُس نے ہم پر اپنی ساری نعمتیں تمام کر دیں۔ قرآن مجید' اپنا دین' اپنی ہدایت' اپنی جنت کا راستہ اور جہنم سے بچنے کا راستہ' سب کچھ اُنھی کے ذریعے ملا ہے۔ ان سے محبت کا تو یہ عالم تھا کہ لوگ نگاہ بھر کر دیکھ نہیں پاتے تھے۔ مجلس میں سناٹا رہتا تھا۔ وضو کا پانی زمین پر نہیں گرنے پاتا تھا۔ تھوکتے تھے تو چاہنے والے وہ بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے۔ یہ بھی محبت کی علامتیں تھیں۔ ان میں سے کوئی چیز فرض نہیں تھی۔ کسی چیز کا دین میں مطالبہ نہیں تھا۔ ایک آدمی آیا اور اس حال میں آپؐ سے ملا کہ آپؐ کے گریبان کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ عمر بھر باپ اور بیٹے نے اپنے گریبان کے بٹن بند نہیں کیے۔ دین کا کوئی مطالبہ نہیں تھا کہ ایسا کرنا ضروری ہے۔ ایک اور آدمی آیا اس نے دیکھا کہ آپؐ کی چپل کے تسموں پر بال ہیں۔ اُس نے ہمیشہ وہی چپل پہنے۔ ایک اور آدمی آیا اس نے دیکھا کہ آپؐ سالن میں کدو کے ٹکڑے تلاش کر رہے ہیں۔ اس کے ہاں کبھی کوئی سالن نہیں پکا جس میں کدو نہ ڈلا ہو اور اس میں کدو کے ٹکڑے نہ تلاش کیے ہوں۔ اُن میں سے کوئی چیز بھی فرض نہیں تھی۔ اور جو چیزیں فرض کیں' جن کا مطالبہ کیا--- مکے کی گلیاں' عکاظ کے میلے' طائف کی وادی' بدر و حنین کے میدان--- بھلا جو قمیض کے بٹن بھی بند نہ کرتے ہوں' کدو کے ٹکڑے بھی نہ چھوڑتے ہوں آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ اِن میں پیچھے رہ سکتے ہیں؟ پھر انھوں نے اسپین سے لے کر چین تک سب کو بدر و حنین کا میدان بنا دیا۔ جو کام قومیں ہزاروں برس میں کرتی ہیں' وہ کام انھوں نے سو برس میں کر دیا۔ یہ اِسی محبت کا نتیجہ ہے۔ یہی محبت تو اُن کا سارا سرمایہ تھی۔ ہر دل میں محمد صلی

اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپؐ کے دل کا ایک ٹکڑا آ گیا۔ ہر شخص چلتا پھرتا قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر بن گیا۔ یہی وہ لوگ تھے جن کے آگے قوموں کی قومیں' شہروں کے شہر اور ملک کے ملک سپر انداز ہو گئے اور بچھتے چلے گئے۔ اس لیے کہ محبت فاتحِ عالم ہوتی ہے۔ اللہ کی محبت اور اس کے رسولؐ کی محبت یقیناً سارے عالم کو فتح کر لیتی ہے۔ آپؐ کے پاس اس کے سوا کوئی اور نسخہ نہیں تھا۔ نہ وعظ تھے' نہ لٹریچر تھا' نہ کتابیں تھیں' کچھ نہیں تھا' بس محبت کی تفسیر تھے' زندہ چلتی پھرتی تصویر تھے۔

ایک آدمی آیا۔ اُس نے پوچھا قیامت کا دن کب آئے گا؟ فرمایا پوچھ تو رہے ہو' کچھ تیاری بھی کی ہے؟ کہا نہیں۔ نماز روزے' یہ تو بہت مشکل ہیں۔ صرف اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا جس سے محبت کرتے ہو اُسی کے ساتھ رہو گے۔ حضرت انسؓ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ میں نے صحابہؓ کی زندگی میں اس سے زیادہ خوشی کا کوئی دن نہیں دیکھا کہ جب یہ خوشخبری سُنی کہ نمازیں بھی کم ہیں' روزے بھی کم' کوئی وسیع سرمایہ ساتھ نہیں ہے' بس اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔ فرمایا کہ مجھے یہ بشارت ملی کہ پھر تو قربت بھی ہے' ساتھ بھی ہے اور پاس بیٹھنا بھی ہوگا اور ملنا جلنا بھی ہوگا۔

کسی نے کہا کہ آدمی محبت تو کرتا ہے مگر پہنچ نہیں سکتا۔ پہنچ نہ سکنا تو بہت بلیغ بات ہے۔ ۱۴سو برس کے زمانے کا فاصلہ ہے۔ مکان کا بھی فاصلہ ہے۔ بہت دور ہے جا نہیں سکتے۔ عمل کا بھی فاصلہ ہے کہ ہمارے عمل کی اُن کے عمل کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے۔ فرمایا کہ محبت تو ایسا نسخہ ہے کہ ساری دوریوں اور فاصلوں کے باوجود آدمی اُسی کے ساتھ جائے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپؐ کے پیچھے چلنا اللہ کی محبت کی کسوٹی ہے۔ یہ محبت کا سیدھا راستہ ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آلِ عمران ۳: ۳۱)۔ ''اے نبیؐ، لوگوں سے کہہ دو کہ ''اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا''۔ اگر اللہ سے محبت کا دعویٰ ہے تو میرے پیچھے پیچھے چلو اور میرے بن جاؤ' میرے نقشِ قدم پر چلو' جن راستوں سے میں گزرا ہوں' اُن سب سے گزرو۔ اگر میں کہوں کہ مکہ کی گلیوں سے گزرو' عکاظ کے میلوں سے گزرو' طائف کی وادی سے گزرو اور

بدر و حنین کے میدان سے بھی گزرو، تو ان سب مقامات سے بلا جھجک گزرو اس لیے کہ یہی محبت کا تقاضا ہے۔

اتباع کے معنی اطاعت کے نہیں ہیں۔ اطاعت کا لفظ الگ ہے۔ اطاعت کے معنی تو کہنا ماننے اور حکم ماننے کے ہیں، اور اتباع کے معنی پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں۔ پیچھے پیچھے تو ہر آدمی چلا جائے گا، محبوب جدھر جائے گا اُس کے پیچھے جائے گا۔ جہاں وہ چلا ہو گا اس کے پیچھے چلے گا۔ جو نقشِ قدم اُس نے چھوڑے ہوں گے اُنھی کو وہ پیار کرے گا انھی کے اوپر وہ اپنے قدم بھی رکھے گا۔

یہ محبت بھی آسانی سے نہیں حاصل ہو سکتی۔ ایک واقعہ آپ نے بھی پڑھا ہو گا، میں نے بھی پڑھا ہے۔ پڑھ کے دل لرز جاتا ہے اور بڑی محبت بھی پیدا ہوتی ہے۔ غزوہ احد کا واقعہ ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ زخموں سے چور اور جان بہ لب تھے۔ محبت میں یہاں تک پہنچ گئے۔ آپؐ کے پاس بھی لائے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپؐ اپنا پاؤں میرے چہرے پر رکھ دیں۔ لوگ تو بڑے دعوے کرتے ہیں محبت کے، لیکن حضورؐ کے قدموں کے نیچے آنے کے مقام تک پہنچنے کے لیے اس کیفیت میں ہیں کہ پورا جسم خونم خون، زار و نزار، جان لبوں پر ہے تو اس کے بعد انھوں نے اپنے آپ کو اس کا مستحق سمجھا یا محبت میں یہ آرزو ہوئی کہ قدمِ مبارک چہرے کے اوپر ہوں۔ یہ آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔

وہ لوگ جو دین کے راستے پر ساتھ چل رہے ہیں ان کے لیے اس میں بہت رہنمائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اپنے آپ کو باندھ لو، اس کے ساتھ جما لو، جم جاؤ، ناگواریاں بھی ہوں تو صبر اختیار کرو۔ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ (الکھف ۱۸:۲۸) ''اور اُن سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو''۔ نگاہیں ہٹنے نہ پائیں۔ یہی ساتھی سرمایہ ہیں۔ کچے بھی ہیں اور پکے بھی۔ گناہ گار بھی ہیں اور نیک بھی، پختہ بھی ہیں اور ناپختہ بھی ہیں۔ جو بھی ہیں وہ سب جو ساتھ چل رہے ہیں، ان میں سے ہر شخص قیمتی ہے۔ ہر شخص ایک سرمایہ ہے۔ کالے بھی ہیں اور گورے بھی، پڑھے لکھے بھی ہیں اور جاہل بھی۔ اچھے اخلاق والے بھی ہیں اور بد اخلاق بھی۔ آ کے چادر کھینچ لیتے ہیں، بُرا بھلا کہتے ہیں، طعنے دیتے ہیں پھر بھی وہ محبوب رہتے ہیں۔ عذر پیش کرتے ہیں وہ قبول کر لیے جاتے

ہیں۔ غلطی کرتے ہیں تو معاف کر دیے جاتے ہیں اور سینے سے لگا لیا جاتا ہے۔ کوئی مثال نہیں ملتی کہ کوئی دھتکار کے باہر کر دیا گیا ہو۔

یہی تو وہ لوگ ہیں جن سے کام ہونا ہے۔ انھی کی تائید سے تو دین غالب ہوا۔ ھُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ○ (الانفال ۸:۶۲) ''وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعے سے تمھاری تائید کی''۔ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ (الانفال ۸:۶۴) ''اے نبیؐ، تمھارے لیے اور تمھارے پیرو اہل ایمان کے لیے تو بس اللہ ہی کافی ہے''۔

یہ مومنین کی جماعت ہی تو ہے جس کی جدوجہد سے پورا کا پورا دین نافذ ہوگا، فتنہ مٹے گا اور دین کا کلمہ غالب ہوگا۔ ان میں سے تو ہر شخص بڑا قیمتی ہے۔ کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس کی قدر و قیمت کم کی جائے۔ ہر شخص کا دل اللہ کی یاد کا مسکن ہے۔ یہ تو خانۂ کعبہ سے بھی زیادہ محترم ہے۔ خانۂ کعبہ کیا ہے؟ مٹی کا گھر ہے۔ یہ تو گوشت کا دل ہے جو اللہ نے خود بنایا ہے۔ جس میں وہ خود بستا ہے۔ اس کی یاد بستی ہے۔ اس کی محبت بستی ہے۔ اس کا ایمان بستا ہے۔ اس کی ناقدری کی جائے اور اس کو آدمی جھڑک دے، اس کو ایذا پہنچائے، اس کو تکلیف دے، اس کی پروا نہ کرے، اس کی برائی کرتا پھرے، اس کو گالی دے، اس کا مذاق اڑائے، یہ کیسے ہو سکتا ہے! اسی لیے فرمایا کہ جس نے کسی مسلمان کو خوش کیا اُس نے مجھے خوش کیا۔ جس نے مجھے خوش کیا اُس نے اللہ کو خوش کیا۔ جس نے کسی مسلمان کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھ ایذا پہنچائی اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی۔ آپ بتایئے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ محبوب ہوں تو کیا اس کے بعد اب کسی ہدایت کی ضرورت ہے؟ یہ تو خود اپنی جگہ پر کافی ہے۔ جب اللہ پیارا ہے، اللہ کے محبوبؐ پیارے ہیں تو پھر اللہ کے کسی بندے کو، اپنے کسی ساتھی کو کیسے تکلیف پہنچائی جا سکتی ہے۔ کوئی ایسی بات زبان پر کیوں آئے، ہاتھ سے ایسا کام کیوں ہو، روش ایسی کیوں ہو جس سے اُس کو تکلیف ہو۔ جن کو ہم نے آگے کھڑا کر دیا ہے وہ بھی اُسی طرح محبوب ہیں، اور جو ہمارے پیچھے ہیں وہ بھی اسی طرح محبوب ہیں۔ یہ محبت کا رشتہ ہے۔

اب کوئی آگے چلنے والا یہ حق تو نہیں رکھتا کہ وہ کہہ سکے کہ میں تمھاری جان، مال،

والدین سب سے زیادہ پیارا ہوں۔ یہ مقام تو صرف اللہ کے رسولؐ کے لیے۔ لیکن اِسی کا کچھ حصہ کہیں نہ کہیں تو آئے گا جس سے جماعتیں مضبوط ہوں گی اور ایران و روم فتح کرنے کے قابل ہوں گے۔ خشک احتساب جماعتوں کو صحیح تو رکھ سکتا ہے' مگر اُن کے اندر سیلاب کی وہ قوت نہیں پیدا کرسکتا کہ دنیا کے اوپر چھا جائے۔ یہ سیلاب کی قوت تو محبت ہی پیدا کرسکتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے رحما کی مثال دی ہے' مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (الفتح ۴۸:۲۹)''محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں''۔ اس کا نتیجہ تھا کہ وہ بیج کونپل بنی' درخت بنا اور پھر تناور درخت بن گیا۔ آپس کی محبت اور رحمت پر مبنی اس کی اینٹیں ایک دوسرے کے ساتھ آپس میں محبت کے سیمنٹ سے جڑی ہوئی ہیں۔ وہی جماعت اس قابل ہے کہ اس کا ننھا منا بیج تناور درخت بن جائے۔ عام انسان' ہر انسان جس کو اللہ نے پیدا کیا' گوشت پوست کا انسان جس کے اندر اس نے اپنی روح پھونکی ہے (نفخت فیه من روحی)۔ ہر انسان جو گناہ گار ہے' اس کا گناہ آپ کو کتنا ہی ناپسند کیوں نہ ہو' نفرت کا مستحق نہیں ہے۔ گناہ گار بھی آتے تھے' جانی دشمن بھی آئے' چچا کا کلیجہ چبانے والے بھی آئے' مکے کے پورے ۱۳ سال گالیاں دینے والے' راہ میں کانٹے بچھانے والے بھی آئے' مرد بھی آئے' عورتیں بھی آئیں' بیٹی کے اوپر برچھا مارنے والا جس کے نتیجے میں اُن کا اسقاط حمل ہوگیا وہ بھی آیا' سب کو گلے سے لگالیا اور سب سے کہا کہ آؤ آج سے تم میرے بھائی ہو اور وہی پھر قوت بن گئی۔

وہ چند افراد کی قوت نہیں تھی۔ مہاجرین و انصار نے ساری دنیا فتح کی۔ وہ تو لیڈر تھے' قائد تھے' وہ آگے چلنے والے تھے۔ انسانی قوت تو ان سے آئی جن کے دلوں کو اونٹ دے کر اور مالِ غنیمت دے کر جیتا گیا۔

فرمایا کہ بھوکے کے پاس جاؤ تو اپنے رب کو وہاں پاؤ گے۔ تم اسے کہاں تلاش کرتے پھرتے ہو؟ پیاسے کے پاس جاؤ تو مجھے وہاں پاؤ گے' اور بیمار کے پاس جاؤ تو مجھے وہاں پاؤ گے۔ تم مجھے کہاں تلاش کرتے ہو؟ مجھے بندوں میں تلاش کرو۔ ان کے پاس جاؤ گے' ان سے محبت کرو گے تو پھر وہ تمھارے ہو جائیں گے اور تم اُن کے ہو جاؤ گے۔

میرے بھائیو اور دوستو! یہ بنیادی سبق ہے۔ یہ دین کی بنیاد ہے۔ حمد کا کلمہ بھی محبت کا کلمہ ہے۔ شکر اور تعریف محبت کے بغیر نہیں ہوسکتی اور محبت تو شکر کے بیج سے پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا آغاز بھی اسی کلمے سے فرمایا: الحمد للّٰہ ۔ اور جب دین تکمیل تک پہنچ گیا تو پھر فرمایا: فسبّح بحمد ربك ۔ شکر ہی تو محبت کا بیج ہے۔ اِسی سے محبت کا درخت پھوٹتا ہے‘ اس کی شاخیں نکلتی ہیں‘ پتے آتے ہیں‘ پھول کھلتے ہیں‘ پھل نکلتے ہیں۔ یہ دین کی بنیاد ہے‘ ایمان کا تقاضا ہے۔ ایمان کی راہ عشق و محبت کی راہ ہے اور اسی سے یہ منزل آسان ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی نسخہ میں نہیں جانتا۔

میں پھر اپنی بات دُہراؤں گا کہ تم اگر اس معیار پر پورے نہیں اترو گے تو پھر تمھارے ہاتھوں سے یہ کام نہیں ہوگا۔ پھر اللہ دوسرے لوگ لائے گا۔ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ (المائدہ ۵:۵۴) ’’وہ دوسری قوم لے کر آئے گا‘‘۔ اور اس گروہ کی پہلی خصوصیت ہی ہوگی کہ وہ اللہ کی محبت کے نشے میں سرشار ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہوگا۔ اس کے بعد سارے کام آسان ہوں گے‘ دین غالب ہوگا‘ پھر زندگی ٹھکانے لگے گی۔ پھر تھوڑے عمل سے بھی بڑے بڑے نتائج پیدا ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ مجھے آپ سب کو اسی محبت کا حصہ عطا فرمائے۔ (کیسٹ سے تدوین: م - س)

ضربِ ضمیر

ابوالامتیاز ع س مسلم ○

''ضمیر'' اُس خالق مطلق و علیم و حکیم کی ایسی محیر العقول اور پُر اسرار تخلیق ہے کہ آدمی اس میں جتنا بھی غور کرے، گم کدۂ فکر و تخیل میں اتنا ہی ششدر و دنگ ہوتا جاتا ہے۔ یہ وہ حیرت کدہ ہے جس میں قوسِ قزح کے رنگ، کہکشانوں کی وسعت، سمندروں کی گہرائی اور آسمانوں کی گیرائی، فکر و خیال کو کائنات اور ماورائے کائنات میں دعوتِ پرواز اور لذتِ نظارہ دیتے ہیں۔

خالق موجودات نے آدم کو پیدا کیا تو فرشتوں کو حکم دیا کہ:

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ○ (صٓ ۳۸:۷۲)

اور پھر جب میں اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ۔

چنانچہ اللہ نے آدم کے پیکرِ خاکی میں روح پھونکی تو اُس میں جان پڑ گئی، اور وہ ایک ڈھانچے سے انسان بن گیا۔

روح جب جسدِ عنصری سے پرواز کر جاتی ہے، یعنی جان نکل جاتی ہے تو انسان ختم ہو جاتا ہے۔ اُس پر موت طاری ہو جاتی ہے۔

لیکن ''ضمیر'' کیا ہے! اِسے نہ انسان کے قالب میں پھونکا گیا، نہ ہم اسے کسی ایسی شے سے تعبیر کر سکتے ہیں، جس کے نکل جانے سے انسان کی موت واقع ہو جائے۔ اِس کے باوجود

○ شاعر، دانش ور، مصنف، سربراہ سوسائٹی برائے ذہنی پس ماندگی: سائنوسا، کراچی

ضمیر کوئی ایسی شے ہے جو ہمہ دم انسان کے باطن میں نیزے کی اَنی کی طرح کچوکے دیتی، چھیڑ چھاڑ کرتی اور مسلسل اپنی موجودگی کا اعلان کرتی رہتی ہے۔

اقبال کا کہنا ہے ؎

بانگِ اسرافیل اُن کو زندہ کر سکتی نہیں
روح سے تھا زندگی میں بھی تہی جن کا جسد

روح وہ شے ہے جو خاک کے پنجر میں پھونکی گئی تو وہ جی اُٹھا۔ اِسی سے تارِ نفس قائم ہے۔ اگر جسد روح سے تہی، یعنی خالی اور محروم ہوگیا تو زندگی بھی ختم ہوگئی۔ لیکن وہ کون سی کیفیت ہے کہ ''زندگی'' تو قائم ہے مگر ''روح'' سے تہی ہے۔ لیکن یہ ''زندگی'' ایسی ''موت'' سے بدتر ہے جو صورِ اسرافیل سے بھی بیدار ہونے کی اہلیت سے عاری ہے۔ گویا ''زندگی'' اور ''موت'' بیک وقت ایک جسد میں جمع ہیں۔

ظاہر ہے ایسا نہیں ہوسکتا۔ اِس لیے ثابت ہوا کہ یہ تعبیر کسی ایسے جوہر کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کی حقیقت ہی حیات بخش زندگی ہے۔ اِسی کے ہونے سے زندگی، ''زندگی'' کہلاتی ہے۔ اور اِس جوہر کا نام ''ضمیر'' ہے۔

قرآنِ کریم میں نفس کے تین اَقسام بیان کیے گئے ہیں:

۱- نفسِ اَمّارہ: وہ نفس جو ہمیشہ خودسری، سرکشی اور جرم کی آماجگاہ ہو۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ط (یوسف ۱۲:۵۳) ''بے شک نفسِ امارہ تو برائی ہی کی طرف مائل ہوتا ہے، الا اُس کے کہ جس پر میرا رب رحم فرمائے''۔

۲-نفسِ لوّامہ: ''نفس ملامت گر'' جس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ اللہ نے اُس کی قسم کھائی ہے: وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ o (القیامہ ۷۵:۲) ''اور نہیں، میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی'' (برائی سے دامن بچانے کے لیے اپنا محاسبہ کرتا رہتا ہے)۔ نفسِ لوامہ یا نفسِ ملامت گر، یہ ہے کہ بندے سے عملِ خیر صادر ہو تو اُس پر اِترانے کے بجائے اپنا محاسبہ کرے کہ کہیں خلوصِ نیت یا تکمیلِ کار میں خامی نہ رہ گئی ہو۔ اور اگر کوئی لغزش پایا معصیت سرزد ہوجائے تو اُس پر نادم و سرنگوں ہوتا کہ توبہ اور تلافی کی توفیق نصیب ہوسکے۔

۳- **نفسِ مطمئنہ:** وہ نفس ہے جو نہ خیالاتِ شیطانی سے متزلزل ہوتا ہے، اور نہ نفسانی تحریکات سے منتشر، بلکہ جس کا اپنے اللہ اور اُس کے دین پر ایقانِ کامل اور اُس کی اطاعت و بندگی غیر متزلزل ہوتی ہے، اُس کے لیے بشارت ہے کہ: یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ○ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ○ (الفجر ۸۹:۲۷-۲۸) ''اے نفسِ مطمئن، چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے انجامِ نیک سے) خوش اور (اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے''۔

چنانچہ ''ضمیر'' وہ احساسِ شعورِ باطنی اور نفسِ لوامہ کے نفسِ مطمئنہ کی طرف عروج کی منزل، اور ایک طرح سے دونوں کا حسین امتزاج ہے جو انسان کو اپنے وجود، اپنی خودی، اور عزتِ نفس کی یاد دلانے کے لیے اپنے ارتعاشِ نبض سے تازیانے کی طرح ضرب لگاتا رہتا ہے۔ وہ شرر ہے، جو اُس کے اندر ایمان کی لَو روشن رکھتا اور اُس کی حدت و توانائی کو قائم و دائم رکھتا ہے۔ اُسے خیر کی طرف متوجہ، اور شر سے متنبہ کرتا ہے۔ ضمیر وہ قوت ہے جو صبر و استقلال کی طرف رہنمائی کرتی اور رَیب و گمان اور لغزش و کج روی سے روکتی ہے۔ گویا ''ضمیر'' حریمِ قلب میں وہ آئینہ ہے جو عکسِ خیال کو بھی اپنی گرفت میں لے لیتا ہے، اور اُس کے اسباب و نتائج کے امکانی نشیب و فراز سے صاحبِ خیال کو آگہی عطا کرتا اور اُن کے مضمرات کی فہمایش کرتا اور اُسے راہِ راست پر گام زن رکھتا ہے۔

اِس لحاظ سے ''ضمیر'' گویا روح کی ''روح''، یعنی اُس کی جان اور اُس کی بالیدگی اور شادابیِ حیات کا باعث ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ وہ مرحلہ ہے جہاں ''ضمیر''، نفسِ لوامہ سے اِرتقا پذیر ہو کر ''نفسِ مطمئنہ'' کے مقامِ ارفع و اعلیٰ پر فائز ہو جاتا ہے۔ جہاں وہ اپنے رب کے قرب سے خوش، اور اُس کا رب، اُس کے ایمان و اطاعت سے راضی ہوتا ہے۔ یہ وہ فردوسِ اطمینان ہے جس کی جستجو میں بندے نے خُلدِ بریں سے اخراج سے لے کر اَن گنت صدیاں گزاری ہیں۔

جس طرح ضربِ دل، جسم کی زندگی کی علامت ہے، اُسی طرح ضربِ ضمیر، انسان کی روحانی اور ذہنی صحت کا عنوان ہے۔ اقبال نے کہا ہے ؎

دلِ مُردہ دل نہیں ہے اِسے زندہ کر دوبارہ

گویا دل کا دھڑکنا' سانس کا آنا جانا اور انسان کا چلنا پھرنا ہی زندگی کا ثبوت نہیں ہے' اِس کے لیے کسی اور شرر کی ضرورت ہے۔ دل کی موت دراصل ضمیر کی مرگ اور احساس کی موت ہے' اور یہ اُسی وقت واقع ہو جاتی ہے جب خاکستر کی چنگاری بجھ جائے' اللہ کی حاکمیت پر یقین نہ رہے اور ایمان کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ اُس وقت گویا انسان کا اللہ سے اپنی عبودیت کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے' اور نہ صرف دل کی موت واقع ہو جاتی ہے' بلکہ اگر احساسِ زیاں بھی جاتا رہے تو ضمیر کی موت بھی ناگزیر امر ہے۔ اور موت کی یہی کیفیت ہے جس سے بقول اقبال بانگِ اسرافیل بھی بیدار نہیں کر سکتی۔

جب ایسا ہوتا ہے تو اِلٰہ واحد کی جگہ' سیکڑوں مرئی اور غیر مرئی ''خدا'' اقلیمِ دل پر کسی مافیا کی طرح قابض ہو کر اُس کی کل گھمانے لگتے ہیں۔ آدمی زندہ ہوتے ہوئے بھی ہمہ دم موت سے ڈرنے لگتا ہے۔ ایمان و یقین کے سرچشمے خشک ہونے لگتے ہیں۔ آدرش اور اصول کے قلعے مسمار ہو جاتے ہیں۔ عزم و استقلال اور ہمت و استقامت کی فصیلیں ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں اور ''جان'' بہت عزیز ہو جاتی ہے حالانکہ اِس سے زیادہ ناپایدار اور کوئی شے عالمِ وجود میں موجود نہیں' یعنی ابھی ہے' ابھی نہیں ہے۔ ''ہر چند کہیں کہ ہے' نہیں ہے!''

فرعون سے بخت نصر تک اور نمرود سے جارج بش تک کون باقی رہنے والا ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ○ (الرحمٰن ۵۵:۲۶-۲۷) ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔

گویا سلطنتیں' عمارات و عجائبات' جہاز' کارخانے' تکنیکی مہارت' سائنسی ایجادات' میزائلیں' ایٹمی اثاثے' قلعے' جاہ و حشمت' عظمت و سطوت' شوکت و تمکنت' انسان کی بالادستی بلکہ ''خدائی'' کا تزک و احتشام' حتیٰ کہ چاند ستارے' سورج' کہکشائیں اور کائنات کی ہر شے فنا پذیر ہے--- اور صرف اللہ کی ذات--- عظمت و اِکرام والی ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔

خلافتِ ارضی کے مقام سے اس ذہنی تنزل کا تلازم یہ ہے کہ انسان ''جان'' کے ''فریبِ تحفظ'' میں ''زمینی حقائق'' کے نام پر حمیت و غیرت اور ننگ و ناموس سے بھی دست بردار

ہو جاتا ہے۔ ایمان وعبودیت، عہد واقرار اور حلف وقَسم کے ساتھ یہ سب اور صدیوں کی تمدنی، تہذیبی اور تاریخی اقدار، ''روایاتِ پارینہ، بنیاد پرستی اور رجعت پسندی'' کی علامت بن کر گردن زدنی ٹھہر جاتی ہیں۔ لیکن چونکہ انسان جبلی طور پر ہر شے سے کٹ کر نہیں رہ سکتا، کسی نہ کسی قسم کا تعلق بہرحال ضروری ہے، اِس لیے اور نہیں تو مٹی کے در و دیوار، اسباب بود و باش اور ساز وسامانِ آسایش ہی محورِ زندگی بن جاتے ہیں۔

یہی جبلت پتھر اور دھات کے زمانے میں تو کیا، آج بھی کمزور دل اور وہم وگمان کے شکار انسان کو اپنے ہاتھوں پتھر اور مٹی سے بنائے ہوئے خداؤں (بتوں) کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ کبھی چاند اور سورج جیسے مظاہرِ فطرت کی، جو اُسے اپنے سے طاقت ور نظر آتے ہیں، پرستش پر مائل کر دیتی ہے۔ اور دورِ حاضر کی اصطلاح میں، احساسِ کمتری بن کر، چڑھتے سورج کی طرح جابر وقاہر قوموں کے سامنے سجدہ ریز ہونے پر مجبور کر دیتی ہے۔

یہ درست ہے کہ ''جان'' جانے کے بعد بھی انسانی زندگی کے مادی آثار دیدۂ عبرت نگاہ کی سبق آموزی کے لیے کچھ مدت تک باقی رہتے ہیں، لیکن تابہ کے۔ ایک دن یہ بھی ملیامیٹ ہو جائیں گے۔ یہ سارا مال واسباب اور ساز وسامان نہ تو بالآخر اِس دنیا میں اُن فریب خوردگانِ جانِ عزیز کے کام آئے گا، جنھوں نے ''اپنا سب کچھ بچا لینے'' کے وہم وگمان میں اس چند روزہ حیاتِ مستعار میں قلب وضمیر، ایمان ویقین اور غیرت وحمیت کی سوداکاری کی تھی اور نہ وہ اُسے اپنے ساتھ ہی لے جا سکیں گے، جس طرح ؏

سکندر جب گیا دنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے

اِسی حقیقت کی روشنی میں حکیم الامت علامہ اقبال نے اپنی خداداد حکمت و دانش اور بصیرت کی بنا پر ملت کو یہ فہمایش مناسب سمجھی ؎

یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں! لا الٰہ الا اللہ

اللہ تعالیٰ نے آدم کو خلافتِ ارضی کے اعزاز سے سرفراز کیا تو اُس کی مستقل ہدایت و رہنمائی کے انتظام کے ساتھ، راستے کے نشیب وفراز سے بھی آگاہی بخشی۔ اُسے ازل سے یہ ہر

نفس ابلیس کے حسد و عداوت' مکروفریب اور ترغیب و تحریص کے امتحان کا سامنا ہے اور یہ چیلنج مختلف زمانوں میں نئے نئے انداز سے اُسے درپیش رہتا ہے۔

ایک دَور میں ساری دنیا کے سر پر اشتراکیت کا بھوت سوار تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ وہ مسلم اقوام اور ملتِ اسلامیہ کے لیے بھی ایک فتنۂ عظیم تھا۔ لیکن اس سے بھی بڑا اور خطرناک سفید استعمار و استحصال کا وہ فتنہ ہے جس سے ہم گذشتہ چند صدیوں سے دوچار ہیں۔ اس استعمار کا مفاد جب تک تھا' اُس نے اشتراکیت کے خلاف ملتِ اسلامیہ کو استعمال کیا' اور ہم اپنی سادگی' حماقت یا عارضی شخصی مفادات کی بنا پر اُس کے ہاتھوں میں کھیلتے رہے۔ لیکن مغربی اقوام جانتی تھیں کہ اُن کو اصل خطرہ اشتراکیت کے فلسفۂ شکم پروری، ''روٹی' کپڑا اور مکان'' سے نہیں بلکہ مسلمان کی اُس قوتِ ایمان سے ہے جو اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکتی' اور جس کے لیے مادی وسائل زندگی بسر کرنے کا ذریعہ تو ہیں' لیکن مقصدِ زیست نہیں۔ مغربی استحصالی قوتیں ہی کیا اُن کے گرو ''جارج ابلیس'' پر بھی یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح تھی۔ چنانچہ اُس نے اپنے مریدوں' مشیروں اور کولیشن (colaition) پارٹنروں کو بشمول اشتراکی قیادت کے' بہت پہلے متنبہ کر دیا تھا:

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اُس اُمت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
جانتا ہے' جس پہ روشن باطنِ ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں' اسلام ہے!

سفید استعمار نے جب دیکھا کہ دنیا کی ایک چوتھائی آبادی کے حامل ملک چین کو زیر کرنا مشکل امر ہے' تو انھیں افیم کی لت ڈال دی' تاکہ اُن کی غیرت و حمیت اور ضمیر ایک طویل خوابِ خرگوش کی مدہوشی میں اپنی حقیقت فراموش کر دے۔ تاہم اب تک برعظیم کے مسلمانوں پر متحدہ قومیت اور تصورِ وطن سمیت کسی افیم کا حربہ کارگر نہ ہوسکا تھا۔

اب کہ ''گراں خواب چینی'' سنبھل کر نہ صرف ہوشیار بلکہ دنیا کی ایک عظیم طاقت بن چکے ہیں' اور ''مزدکیت'' کا بت ٹوٹ چکا ہے' کیا ہم نے ''فتنۂ فردا'' سے ترقی کر کے ''فتنۂ

امروز'' کی حیثیت اختیار کر لی ہے؟ کہ زمانہ لوحِ جہاں سے ۵۸ مسلم ممالک کا وجود حرفِ مکرر کی طرح مٹا دینے کے درپے ہے؟

ہم کہ تیغوں کے سائے میں پل کر جوان ہوئے تھے، ستاروں پر کمندیں ڈالتے تھے اور آسماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتے تھے کہ ہم باطل سے دبنے والے نہیں ہیں! ہمارے فکروخیال میں کیا تبدیلی آ گئی ہے کہ ہم اپنی ''ترکیبِ خاص'' میں قومِ رسول ہاشمیؐ نہیں رہے! بلکہ ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ لگا کر امریکہ کی خدائی کے ساتھ اُن تازہ خداؤں میں سب سے بڑے خدا ''وطن'' کی زلف گرہ گیر کی غلامی بھی قبول کر بیٹھے ہیں۔

''مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا'' کا فلسفہ غلط تھا؟ یا ہماری کشتِ خیال بنجر ہو گئی ہے؟ آج ''ترقی یافتہ'' دنیا کے ''محورِ خیر'' کو جس عظیم ترین ''محورِ شر'' کا سامنا ہے، وہ نعوذ باللہ اسلام اور مسلمان ہیں؟ افغانستان، فلسطین، شام، کشمیر، پاکستان، ایران، سوڈان، شیشان، بوسنیا ہرزک، عراق، صومالیہ، لیبیا، الجزائر، تیونس، انڈونیشیا بلکہ سعودی عرب تک سب مسلمان ہدف ہیں، کوئی آج تو کوئی فردا میں۔

جنوبی سوڈان اور مشرقی تیمور میں ''دہشت گردی'' نہیں ہو رہی بلکہ (عیسائی) قبائل جنگ آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں۔ اور اگر تیسرا سفید فام ملک آسٹریلیا اپنی فوجیں لے کر چڑھ دوڑتا ہے تو یہ بھی عین عملِ خیر اور امنِ عالم کے مطابق ہے، لیکن اگر اہل کشمیر، اہل شیشان، اہل فلسطین اور ان کو سوا عین اپنے گھروں میں اپنی آزادی کے لیے، اور وہ بھی اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کے مطابق، اپنے نونہال قربان کر رہے ہیں، تو یہ دہشت گردی ہے۔

پاکستان میں چند دھما کے دنیا بھر کے ''دہشت گرد'' اسامہ بن لادن کے سوا کسی اور کی کارستانی نہیں ہو سکتے، اور اس کے لیے ۱۴ کروڑ کے اِس ملک کو یرغمال بنا لینا ضروری ہے، لیکن گجرات (بھارت) میں ۳ ہزار مسلمانوں کا قتلِ عام چند الفاظ ملامت کا مستحق بھی نہیں ہے۔ اگر اسپین اور آئرلینڈ اِسی خلفشار میں مبتلا ہیں، تو یہ اُن کا اندرونی معاملہ خیال کیا جاتا ہے، لیکن پاکستان میں کوئی اُونچی آواز سے احتجاج بھی کرتا ہے، تو کہا جاتا ہے کہ یقیناً بنیاد پرست سرگرمِ عمل ہیں۔

مسلمان جو کچھ بھی کریں اُس کو دہشت گردی، بنیاد پرستی، تنگ نظری، عورتوں کے حقوق کی پامالی، سودخوری سے نفرت، حرام کاری سے گریز، لواطت پر ملامت، اپنے دین پر استقامت، محمدؐ سے محبت، شریعت کے اتباع حتیٰ کہ ستر ڈھانپنے کی خواہش، غرضیکہ کوئی نام بھی دے لیں، یہ سب ''اُن'' کی نگاہ میں ''محورِ شر'' ہیں جن کا مٹا دیا جانا ہی اُس ''محورِ خیر'' کی زندگی کی ضمانت ہے۔

انھوں (آگ کی بھٹیوں میں اہل ایمان کو ڈالنے والوں) نے اُن میں بجز اِس کے اور کیا عیب پایا تھا کہ وہ فقط ایک اللہ واحد پر ایمان رکھتے تھے (اور کسی دوسری طاقت کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کو تیار نہ تھے) جو وہ انھیں آگ میں جھونکتے اور قتل کر رہے تھے، (اُس) اللہ واحد پر جو زبردست (اور) سب سے زیادہ سزاوار حمد (وعبودیت) ہے۔ آسمانوں اور زمینوں میں سلطنت (واختیار اور سارا نظام) اُسی کا ہے (ہر دوسرا نظام خواہ اُسے ''یک عالمی نظام'' کہیں یا کچھ اور، باطل اور ناقابلِ قبول ہے)۔ انھوں نے مومنین و مومنات پر بہت ظلم کیا ہے، اور توبہ کر کے باز نہیں آئے۔ اُن کے لیے (اللہ کے ہاں) جہنم کا اور آگ میں جلتے رہنے کا عذاب ہے اور اللہ (تو) ہر شے کو دیکھ رہا ہے۔ (البروج ۸۵: ۵-۱۰)

اور ستم ظریفی تو یہ ہے کہ اس میں اپنے ہی ''برادرانِ اسلام'' ان دشمنانِ دین و ایمان کے آلۂ کار ہیں ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہرچہ کرد، آں آشنا کرد

کے مصداق کمین گاہ سے اپنوں ہی کے تیروں کی بارش ہو رہی ہے۔ امریکہ، فرانس یا اٹلی کو کیا الزام دیں کہ وہ مسلمان بچیوں کے سر پر رومالِ حجاب پہننے پر معترض ہیں، ترکی اور انڈونیشیا جیسے سو فی صد مسلم ممالک کیا کسی سے پیچھے ہیں! اور تو اور اِس مملکتِ خداداد پاکستان میں، جس کا وجود ہی ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ'' اور قرآن و سنت کے عہدِ نفاذ کا مرہونِ منت ہے، اب اُس کی سرزمین ''پاک'' میں بھی مکتب و مدرسہ کے ساتھ ''دینی'' کا لاحقہ تک دہشت گردی

کی علامت ٹھہرا' یعنی جب بھی اکبر خدا کا نام لے گا' رقیب فوراً اس کی رپورٹ تھانے میں درج کرائیں گے' جہاں امریکی ایف بی آئی منکر نکیر کے طور پر اُس سے حساب کتاب کرے گی۔

حق و باطل کی تاریخی ستیزہ کاری میں یہ تصادم قابلِ فہم ہے۔ لیکن جو بات عالمِ اسلام سے بالعموم اور نظری پاکستان کے مقتدر طبقے سے بالخصوص پوچھنے کی ہے' وہ یہ ہے کہ ع

اے کشتۂ ستم! تری غیرت کو کیا ہوا!

پرانے زمانے میں خال خال لوگ حرص وطمع کا شکار ہو کر انفرادی سطح پر فروختنی اور قومی وملّی غداری کے مرتکب ہو جاتے تھے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ آج فوج درفوج' صف بہ صف ہم اس دلدل میں گردن تک دھنسے ہوئے ہیں' اور سمجھتے ہیں کہ ''ہم بچ گئے''۔ کشمیر ہماری شہ رگ تھی' لیکن ہم کشمیریوں کی جدوجہد آزادی سے دست برداری اختیار کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ دہشت گردی ہے۔ ہمارے ایٹمی ''اثاثے'' جنھیں ''بچانے کے لیے'' ہم نے مسلمانوں کے قتلِ عام اور اُمت مسلمہ پر امریکی آتش و آہن کی بارش کا طوفان برپا کرنے میں ہراول کا کردار ادا کیا' ہمارے گلے پڑ گئے۔ ہماری حاکمیت اعلیٰ امریکہ کے پاؤں میں ناک رگڑ رہی ہے اور ہم کہتے ہیں کہ ''ہم بچ گئے''۔

اے میرے وطن پاک کے وہ لوگو جو اِس ملک کی آزادی' حریت فکرونظر اور اپنے ایمان کی سرفرازی کے لیے خاک وخون کے سمندر میں سے گزرے! ہمارا کیا بچ گیا ہے؟--- اور ہم نے کیا کھویا ہے؟--- کیا ہمارا نفسِ لوامہ تھک ہار کر سو گیا ہے؟--- کیا ضمیر مردہ ہو گیا ہے؟--- کیا زندگی روح سے ایسے تہی ہو چکی ہے کہ اب بانگِ اسرافیل بھی اُسے زندہ نہیں کر سکتی؟--- کیا نبضِ ضمیر میں کچھ ارتعاش' کچھ کسک باقی نہیں رہی؟

عالم اسلام کے لیے امریکی منصوبے

عبدالغفار عزیز ○

ہزاروں سال پہلے بھی فرعون نے یہی کہا تھا جو آج کہہ رہا ہے مَآ اُرِیْکُمْ اِلَّا مَآ اَرٰی وَمَآ اَھْدِیْکُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ ○ (المومن ۴۰:۲۹) ''میں تمھیں بھی اسی نظر سے دکھاؤں گا جس سے خود دیکھتا ہوں، میں تمھیں درست سمت ہی لے کر جاؤں گا''۔ میں نے اعلانِ جنگ کر دیا ہے تو اب سب کو میرا ساتھ دینا ہوگا ورنہ سب دہشت گرد قرار دے دیے جائیں گے۔ میرے اعلانِ جنگ کے بعد دنیا بھر میں کروڑوں افراد کا "No War" (جنگ نہیں) کا نعرہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ انسانیت کی معلوم تاریخ میں اتنے بڑے عالمی مظاہروں کی مثال نہیں ملتی لیکن جمہوری اقدار کا نام نہاد محافظ امریکہ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء سے بھی اہم اس واقعے کو معمولی حیثیت دینے پر بھی آمادہ نہیں۔

طرفہ تماشا یہ ہے کہ عراق پر حملہ اور پورے خطے پر قبضہ جمہوریت کی ترویج کے نام پر کیا جا رہا ہے۔ ۱۲ دسمبر ۲۰۰۲ء کو واشنگٹن کے ایک تھنک ٹینک میں امریکی وزیر خارجہ کولن پاول نے ایک ''تاریخی'' دستاویز پیش کی جس کا عنوان تھا: ''امریکی شرق اوسطی شراکت برائے جمہوریت و ترقی''۔ اس منصوبے کو اگرچہ شراکت کا نام دیا گیا ہے اور ہدف جمہوریت و ترقی قرار دیا گیا ہے لیکن عملاً یہ پورے خطے کو امریکی استعمار کے تحت لانے کا منصوبہ ہے۔

کولن پاول کے بقول عالم عرب پوری دنیا میں دہشت گردی پھیلانے کا مرکز بن چکا

○ ڈائرکٹر امور خارجہ، جماعت اسلامی پاکستان، منصورہ، لاہور

ہے۔ ان کے الفاظ ہیں: ''عرب ممالک کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ ۸۰ کے عشرے سے دنیا بھر میں دہشت گردی کا اصل سرچشمہ بن گئے ہیں۔ ۸۲ فی صد دہشت گردوں کا تعلق عرب ممالک سے ہے (شاید باقی ۱۸ فی صد دہشت گرد وہ ہوں گے جن کے ہاتھوں کشمیر، فلسطین، چیچنیا، بوسنیا، کوسووا، فلپائن، برما، جنوبی سوڈان اور اریٹریا کے لاکھوں افراد کا خون ہو رہا ہے)۔ ان ۸۲ فی صد دہشت گردوں کی اکثریت اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے''۔ کچھ متوسط تعلیم کے حامل ہیں اور معمولی تعداد میں اَن پڑھ بھی ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ ان ممالک کے تعلیمی نصاب، تعلیمی اداروں کی بدانتظامی اور درست تعلیمی پالیسیوں کے فقدان نے ان دہشت گردوں سے درپیش خطرات کو دوچند کر دیا ہے''۔

وہ اس خطرناک صورت حال کی بنیادی وجوہات بیان کرتے ہیں:

۱- اقتصادی عمل میں جمود، جمہوری اقدار کا فقدان، کرپشن، رشوت۔

۲- آبادی میں غیر منظم اضافہ جو مزید اقتصادی بدحالی کا سبب بنا۔

۳- بے روزگاری۔

۴- فاسد نظام تعلیم۔

اپنے تئیں مرض اور اسباب بیان کرنے کے بعد علاج یہ تجویز ہوتا ہے کہ مختلف عرب ممالک میں امریکی تعلیمی ادارے کھولے جائیں جن میں تعلیم کے ساتھ ساتھ مغربی اقدار بھی سکھائی جائیں۔ تعلیمی ماہرین اور اساتذہ کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو تربیت دی جائے۔ امریکی نصاب تعلیم عام کیا جائے اور اس پورے عمل میں طلبہ و اساتذہ کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک کرنے کے لیے فیسیں کم رکھی جائیں۔ ان مدارس اور امریکی اداروں میں تعلیم پانے والوں کو بڑی بڑی تنخواہوں پر ملازمتیں مہیا کی جائیں۔ انھیں معاشرے میں بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے اور اہم سیاسی وحکومتی مناصب تک پہنچنے میں ان کی مدد کی جائے۔ یہ لوگ امریکہ کے ساتھ جذباتی لگاؤ کے حامل اور مستقبل میں امریکی پالیسیوں کی حمایت کرنے والے اصل کل پرزے ہوں گے۔

علاج کا دوسرا اہم عنصر ان ممالک کے زیادہ سے زیادہ افراد کو سیاسی، اقتصادی، معاشرتی

اور تعلیمی تربیتی کورس کروانا ہے جس کے لیے ہمارے پاس طے شدہ پروگرام موجود ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ امریکی کتب کا ترجمہ کر کے ان ممالک کے اہم اداروں' سرکاری محکموں' پارلیمنٹ' تعلیمی اداروں' اہم لائبریریوں اور افراد تک پہنچائی جائیں۔ ان میں سے اہم کتب کو ان ممالک کے نصابِ تعلیم کا لازمی جزو بنا دیا جائے۔ یہ ضروری ہے کہ تراجم کا یہ کام امریکی وزارتِ خارجہ کی زیرنگرانی ہو۔

تیسری جانب ان ممالک میں جمہوری اقدار کو فروغ دیتے ہوئے پارلیمنٹ کی تشکیل یقینی بنائی جائے۔ اس ضمن میں امریکی کانگریس سے خصوصی رہنمائی حاصل کی جائے۔

علاج کا چوتھا اہم عنصر عرب خواتین کی اپنے ملک کی سیاسی اور اقتصادی زندگی میں بھرپور شرکت ہے۔ پارلیمنٹ میں خواتین کی نمایاں نمایندگی ہو اور خواتین کی بہبود کے لیے موثر کمیشن اور کمیٹیاں تشکیل دی جائیں۔

اس پورے پروگرام کے لیے ابتدائی طور پر ۲۹ ارب ڈالر کا بجٹ رکھا گیا ہے لیکن یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ ضمنی اور تفصیلی منصوبہ بندی اور عمل درآمد کے لیے مزید مالی امداد کی ضرورت ہوگی۔ وزیرخارجہ نے یہ وضاحت بھی کی کہ امریکہ جن ممالک کو بھی مالی امداد دیتا ہے آیندہ ان کی امداد اس پروگرام پر عمل درآمد کے تناسب سے مربوط کر دی جائے گی۔

اس منصوبے پر عمل درآمد کے لیے نظام الاوقات طے کیا جائے گا اور اس امر کو یقینی بنایا جائے گا کہ اس پر عمل درآمد ۲۰۰۳ء میں شروع ہو کر ۲۰۰۶ء میں مکمل ہو جائے۔ امریکی وزیرخارجہ نے اس پروگرام کو نافذ کرنے کے لیے خطے کے ممالک کو چار گروپوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱- وہ ممالک جنھیں یہ اصلاحات خود نافذ کرنا ہیں ان میں سعودی عرب اور مصر جیسے اہم ممالک شامل ہیں۔ انھیں یہ یقین دہانی کروائی جائے گی کہ امریکہ ان کی حکومتیں تبدیل نہیں کرنا چاہتا لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ان اصلاحات کو مکمل طور پر نافذ کیا جائے۔ امریکہ اس ضمن میں ان کی کڑی نگرانی کرے گی۔ اگر ان ممالک کو پروگرام کی کسی جزئیات پر کوئی اعتراض ہو تو انھیں خود اس کا ایسا متبادل پیش کرنا ہوگا جو امریکی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔

۲- وہ ممالک جہاں یہ اصلاحات عسکری قوت کے ذریعے نافذ کرنا ہیں، ان میں عراق، شام، لیبیا، ایران جیسے ممالک شامل ہیں۔ عراق پر حملہ خواہ القاعدہ سے تعلق کے الزام کی بنیاد پر ہو یا وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے اسلحے کے الزام میں، سب ایک کھلا جھوٹ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عراق کو نئے امریکی استعمار کا نقطۂ آغاز بنانا مقصود ہے۔ یہ منصوبہ بھی کوئی راز نہیں رہا کہ تین سے پانچ سال تک کے لیے عراق پر قبضہ کرنا مقصود ہے تاکہ ایک تیر سے کئی شکار کیے جاسکیں۔

امریکی وزیرخارجہ کے مطابق عراق کے بعد لیبیا کی باری ہے، کیونکہ اس کے ساتھ مفاہمت کی کوئی ادنیٰ اُمید باقی نہیں رہی۔ ''خطے کے ممالک کو ابھی سے اس ضمن میں ہمارا ساتھ دینا چاہیے اور اس ضمن میں کوئی مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ لیبیا کے خلاف یہ کارروائی ۲۰۰۳ء کے اواخر یا ۲۰۰۴ء کے اوائل میں ہوسکتی ہے، لیکن اس سے پہلے ضروری ہے کہ متبادل قیادت کی تیاری عمل میں آجائے''۔

کولن پاول منصوبے کے مطابق اگرچہ شام بھی اسی گروپ میں شامل ہے لیکن اس کے خلاف عسکری قوت کا استعمال کچھ مؤخر کیا جاسکتا ہے۔ پہلے اسے مختلف سیاسی، اقتصادی، علاقائی اور اندرونی دباؤ کے ذریعے اصلاحات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ البتہ ایران کے متعلق مزید تفصیل منصوبے میں شامل نہیں ہے۔

۳- وہ ممالک کہ جنھوں نے عملاً اصلاحات کا عمل شروع کردیا ہے انھیں ہمارا پورا تعاون حاصل رہے گا۔ ان میں بحرین، کویت، مراکش اور تیونس وغیرہ جیسے ممالک شامل ہیں۔ ان ممالک کو دیگر ممالک کے لیے بہتر مثال بنانا ہوگا اور ان کے مؤثر افراد کو تربیتی کورس کرواتے ہوئے مختلف سیاسی، غیر سیاسی اور این جی اوز کے نیٹ ورک میں فعال بنانا ہوگا۔ ان ممالک میں مقامی و بلدیاتی حکومتوں کے نظام کو مستحکم کرتے ہوئے حکومتی مرکزیت کو کم سے کم کرنا ہوگا۔

۴- وہ ممالک کہ جو امریکہ کے حلیف ہیں اور اس کے ساتھ عملی شراکت کا آغاز کرچکے ہیں ان میں قطر، اُردن اور یمن جیسے ممالک شامل ہیں۔ ان کے متعلق کہا گیا ہے کہ ''مناسب اوقات میں جو بھی امریکی پروگرام دیے جائیں انھیں نافذ کرنا ہوگا۔ ان اصلاحات

کے نفاذ کی ذمہ داری براہِ راست امریکی ذمہ داران پر ہوگی۔ ان حکومتوں کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اندرونی معاملات یا قومی خودمختاری جیسی اصطلاحوں کی آڑ میں امریکی مطالبات سے راہِ فرار اختیار کریں کیونکہ ان حکومتوں سے امریکی تعاون کا اصل مقصد وہاں مثالی حکومتی نظام تشکیل دینا ہے تاکہ تمام رکاوٹوں اور مشکلات سے بآسانی نمٹا جاسکے"۔ اس منصوبے کے مکمل متن کا عربی ترجمہ اس ویب سائٹ پر ملاحظہ فرمائیں: www.elosboa.com

اس امریکی نقشۂ کار میں پاکستان کا مقام کیا ہوسکتا ہے' قارئین خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔

---

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے پانچ روز بعد موجودہ عالمی صورت حال کے حوالے سے کچھ مزید بیانات قابل توجہ ہیں:

- ۱۵ ستمبر ۲۰۰۱ء کو وزیر خارجہ کولن پاول نے ان واقعات کی کڑیاں عراق سے ملانے کی کوشش کی تھی۔ انھوں نے فرمایا: "صدام حسین کی طرف سے نیویارک اور واشنگٹن پر دہشت گردی کی واضح مذمت سامنے نہ آنا اپنے اندر بہت سے معانی رکھتا ہے"۔
- ۱۸ ستمبر کو سی آئی اے کے سابق سربراہ نے کہا کہ ۱۱ ستمبر کے واقعات' اسامہ بن لادن کی بجائے صدام حسین کا منظم اور بہت محنت سے تیار کیا' منصوبہ لگتے ہیں۔
- ۲۱ ستمبر کو نیویارک ٹائمز نے لکھا کہ بعض اہم امریکی ذمہ داران جن میں نائب وزیر دفاع پال وولفووٹز اور نائب صدر ڈیک چینی کے سٹاف آفیسر لوئس لیبی بھی شامل ہیں کوشش کر رہے ہیں کہ عراق کو بھی حملے کی زد میں آنے والے ممالک کی فہرست میں شامل کر لیا جائے۔ اخبار نے لکھا کہ متعدد ذمہ دار اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ صدام حسین کا کوئی تعلق ۱۱ ستمبر سے نہ بھی ثابت ہو پھر بھی اس سے چھٹکارا پا لیا جائے۔
- ۲۵ ستمبر کو کولن پاول نے کہا: "ہم صدام حسین کے متعلق کسی وہم کا شکار نہیں۔ وہ ہمارے اور خطے کے بارے میں اچھے ارادے نہیں رکھتا۔ وہ وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والا اسلحہ تیار کر رہا ہے"۔ مزید کہا: "ہم نے ۱۰ سال اسے اپنے کنٹرول میں رکھا ہے اور مزید رکھیں

گے اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ جب بھی ضرورت ہوئی ہم اس پر حملہ کرنے کی قدرت رکھتے ہیں''۔

○ ۱۳۱ اکتوبر ۲۰۰۱ء اسرائیلی وزیر خارجہ پیریز نے نیوز ویک کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا: ''میرا خیال ہے عراق ان ممالک کی فہرست میں پوری طرح شامل ہے جن پر حملہ کیا جانا ہے لیکن یہ معاملہ محض عسکری تدبیر سے تعلق رکھتا ہے کہ ایک ہی وقت میں دو محاذ کھولنا ہیں یا باری باری''۔

بیانات، رپورٹوں اور تجزیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جس میں امریکی ارادوں اور صہیونی خواہشات چھلکتی دکھائی دیتی ہیں۔ ۱۹۹۱ء کی امریکی عراقی جنگ کے بعد بڑے بش نے کہا تھا کہ ''اب عراق کی راکھ پر ایک نئی تہذیب کی بنیاد رکھی جائے گی''۔ تب اعلان کیا گیا کہ اسرائیلی فلسطینی تنازعہ حل ہونے کے بعد دنیا ایک نیا مشرق وسطیٰ دیکھے گی۔ ۱۹۹۳ء میں دو سال کے خفیہ مذاکرات کے بعد اوسلو معاہدہ سامنے آیا۔ ۲۰۰۰ء تک ہر ممکنہ طریقے سے اس معاہدے اور اس کی کوکھ سے جنم لینے والے کئی معاہدوں کو نافذ کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تا آنکہ فلسطین میں تحریک انتفاضہ کا ایک نیا مرحلہ شروع ہو گیا جو تمام صہیونی امریکی ہتھکنڈوں کو ناکام بناتے ہوئے ابھی تک جاری ہے۔ صہیونی ریاست تمام تر امریکی و مغربی امداد کے باوجود اقتصادی لحاظ سے ۵۰ سال پیچھے چلی گئی ہے۔ اعداد و شمار گواہی دے رہے ہیں کہ صہیونی ریاست میں ایسا اقتصادی بحران ۱۹۵۳ء کے بعد پہلی بار دیکھنے میں آ رہا ہے۔

اب ایک نئے زاویے سے ''نئے مشرق وسطیٰ'' کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔ دہشت گردی، ۱۱ ستمبر سے تعلق، تباہ کن اسلحہ، اسلحہ انسپکٹروں سے عدم تعاون، اقوام متحدہ کی قراردادوں کا نافذ نہ کرنا، جمہوری اقدار کی نفی...... سب تجارتی اشتہارات ہیں۔ اصل مقصد افغانستان کے بعد ایک نیا نشانِ عبرت وجود میں لانا ہے، جس کی لاٹھی لہرا کر پوری دنیا کو باور کروانا ہے کہ ''أنا ربکم الاعلیٰ''۔

عراق میں سعودی عرب کے بعد دنیا کا سب سے بڑا تیل کا ذخیرہ ہے۔ صدر بش کے سابق اقتصادی مشیر لارنس لینڈسائی نے واضح طور پر کہا تھا کہ ''عراق کے خلاف فوجی کارروائی

کا اصل ہدف تیل ہے"۔ عراق اس وقت پابندی کے باوجود بھی "تیل بمقابل غذا" فارمولے کے مطابق ۲۴ لاکھ بیرل تیل یومیہ نکالتا ہے جو تیل کی عالمی پیداوار کا ۳.۳ فی صد ہے، جب کہ زیرزمین ذخیرے کی مقدار ۱۱۲.۵ ارب بیرل ہے، جو دنیا کے مجموعی ذخیروں کی ۱۵ فی صد ہے اور الاسکا سمیت امریکہ کے تمام ذخائر سے چار گنا زیادہ ہے۔ عراقی تیل نکالنے پر فی بیرل ایک سے ڈیڑھ ڈالر خرچ ہوتے ہیں، جب کہ شمالی امریکہ میں یہ لاگت ۲۱ ڈالر اور جنوبی امریکہ میں ۸۱ ڈالر فی بیرل آتی ہے۔ عراقی تیل اپنے معیار کے اعتبار سے بھی اعلیٰ تر ہے۔

اب اگر خاکم بدہن عراق پر امریکی قبضہ ہو جاتا ہے اور ڈیڑھ لاکھ امریکی و برطانوی فوجی وہاں تین سے پانچ سال تک کے عرصے کے لیے براجمان ہو جاتے ہیں (جیسا کہ اعلان کیا جا رہا ہے) تو اسے "پولوسٹپ" قرار دیا جا رہا ہے، یعنی ایسی بنیادی اور کاری ضرب کہ جس سے مضبوط مرکز زیر ہو جائے اور پھر تمام کمزور مراکز خود بخود شکست سے دوچار ہوتے چلے جائیں۔

اس جنگ میں کتنے وسائل جھونکے جائیں گے؟ مختلف اقتصادی ماہرین مختلف اندازے بتا رہے ہیں۔ ۵ دسمبر ۲۰۰۲ء کے نیویارک ریویو آف باکس میں کہا گیا کہ "اگر جنگ مختصر ہوئی تو اس پر ۵۰ ارب ڈالر خرچ ہوں گے جس کے بعد ۷۰ ارب ڈالر مزید درکار ہوں گے تاکہ جنگ کے نتائج پوری طرح حاصل کیے جاسکیں اور اگر جنگ طویل ہوئی تو اخراجات ۱۴۰ ارب ڈالر تک بڑھ سکتے ہیں جس کے بعد ڈیڑھ کھرب ڈالر مزید درکار ہوں گے۔ لیکن اگر امریکہ عراق اور خلیج کے تیل پر قبضہ مستحکم کر لیتا ہے تو ان اخراجات کی حیثیت، ان سے حاصل ہونے والے فوائد کے مقابل کچھ بھی نہیں۔

تیل کی قیمت میں صرف ایک ڈالر کی کمی آجائے تو ایک سال میں امریکہ کے اخراجات چار ارب ڈالر کم ہو جاتے ہیں۔ ۱۹۹۸ء میں ایک بیرل کی قیمت ۱۲.۳ ڈالر تھی جو ۱۹۹۹ء میں ۱۷.۸ ڈالر اور ۲۰۰۰ء میں ۲۷.۶ ڈالر فی بیرل ہو گیا تو تمام امریکی حسابات تلپٹ ہو کر رہ گئے۔ ۱۹۷۴ء سے ۱۹۸۳ء کے دوران امریکہ کو صرف پٹرول کی تجارت میں تقریباً ۲۷ ارب ڈالر سالانہ بچت ہوتی تھی جو اب ۴۶ ارب ڈالر سالانہ خسارے میں بدل چکی ہے۔

یہ اعداد و شمار تو صرف جنگ کے امریکی اخراجات' عالمی تجارت اور خطے کے ممالک پر اس کے کیا بد اثرات مترتب ہوں گے اس کی کسی کو کوئی پروا نہیں۔ رہی لاکھوں انسانی جانیں' تو ان کی کیا حیثیت' وہ کوئی نیلے خون والے امریکی تو نہیں کہ ان کی بھی فکر کی جائے۔

امریکہ تو اپنے ان اقتصادی' سیاسی' عسکری' ثقافتی اور صہیونی مفادات کے تحفظ کے لیے مکمل طور پر تیار' بلکہ باولا ہوا جا رہا ہے لیکن مسلم ممالک جو اس جارحیت کا اصل شکار ہیں انھیں دشمن ہی سے نہیں اپنے آپ سے بھی غافل کیا جا رہا ہے۔ جنوری اور فروری جنگی تیاریوں کے حوالے سے حساس ترین تھے اور پاکستان ہی میں بسنت کا جنون نہیں مراکش' لبنان' اُردن' قطر' امارات اور مسقط عمان سمیت متعدد ممالک میں میلے' جشن اور ہاؤ ہو کا طوفان عروج پر تھا اور اب بھی کسی نہ کسی حوالے سے جاری ہے۔ بسنت میں جب یہاں امریکی مشروب ساز اداروں کی طرف سے اشتہاری اور ہلاکتی مہم عروج پر تھی' عین انھی دنوں امریکہ میں یہ مہم چل رہی تھی کہ فور ویل گاڑیاں بند کی جائیں کیونکہ ان میں پٹرول کی کھپت زیادہ ہوتی ہے۔ ہم پٹرول زیادہ کھپائیں تو دہشت گرد ممالک کو پیسہ زیادہ ملتا ہے' جس سے وہ ہمارے خلاف دہشت گردی کرتے ہیں''۔ سعودی عرب کو اس مہم کا زیادہ نشانہ بنایا گیا۔

ایک طرف دشمن کی تیاری اور منصوبہ بندی کا یہ عالم ہے' دوسری طرف اُمت مسلمہ نے صف بندی بھی نہیں کی ہے۔ ہمیں اس ربانی فیصلے میں تو ادنیٰ شک و شبہ نہیں ہے کہ: وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ (الصف ۶۱:۸)'' کافر کتنا ہی ناپسند کریں' اللہ اپنا نور مکمل کر کے رہے گا''۔ لیکن اے قوم! اے سربراہانِ قوم!! غلبہ اور جیت تو ایمانؑ و علم و عمل سے حاصل ہوتا ہے' کائنات کے رب پر ایمان اور کائنات میں ہر طرف بکھرے علوم تک رسائی اور پھر اجتماعی جدوجہد۔

زوجین کی نفسیاتی ضروریات

ڈاکٹر وفا عبدالجواد ○

ہر انسان امن، محبت، سکون اور اس طرح کی دیگر نفسیاتی و جذباتی ضروریات کی تسکین کا حاجت مند ہے۔ لیکن مرد بعض ضروریات کی تسکین کے طریق کار میں عورت سے مختلف ہوتا ہے اور اس اختلاف سے ناواقفیت میاں بیوی کو بعض مشکلات میں مبتلا کر دیتی ہے۔

میاں اور بیوی کی جذباتی ضروریات جن کی تسکین ضروری ہے بڑی حد تک انسان کے طرزِ عمل کو متاثر کرتی ہیں۔ انسان کا طرزِ عمل انھی کے زیر اثر ہوتا ہے سوائے اس صورت کے کہ مرد کی جذباتی ضروریات مکمل طور پر عورت کی ضروریات سے مختلف ہوں۔ افسوس یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کی اکثریت ایک دوسرے کی جذباتی ضروریات کے اختلافات کو نہیں سمجھتی۔ اس عدم واقفیت کے نتیجے میں وہ ایک دوسرے کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اس فہم کا مثالی اسلوب کیا ہو، نیز وہ مطلوب تعاون کس طرح پیش کریں اور مشکلات سے کیسے بچیں۔ ان میں سے ایک اہم مشکل غلط فہمی ہے۔

زوجین میں سے ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ اس نے دوسرے کی ضروریات کی خاطر بہت کچھ پیش کیا ہے اور بڑا ایثار کیا ہے لیکن اس سے کوئی سودمند نتیجہ برآمد نہیں ہوا بلکہ جو کچھ پیش کیا گیا وہ سارے کا سارا ضائع ہو گیا اور حسن سلوک کا اعتراف نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ زوجین نیک نیتی کے ساتھ محبت، مہربانی، شفقت اور معاونت کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن

○ استاد صحت نفسیات کالج برائے تیاری معلمات، بریدۃ القصیم، سعودی عرب

غلط اسلوب متوقع حسنِ سلوک کو بیگانگی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ جو چیز معاملات کو مزید پیچیدہ بنا دیتی ہے وہ یہ کہ طرفین میں سے کوئی یہ خیال کر لے کہ یہ پریشانیاں (دوسرے فریق کی) عمداً پیدا کردہ ہیں۔ جیسے کہ مرد کوئی کام بیوی کی خوشنودی اور بھلائی کے لیے کرے لیکن وہ بیوی کو اس انداز سے پیش کرے، گویا کہ وہ کسی دوسرے مرد کو پیش کر رہا ہے، نہ جس طرح کہ عورت کو پیش کیا جانا چاہیے۔ اسی طرح سے عورت اپنے شوہر کو اس انداز سے پیش کرے جیسا کہ اس کی ضرورت مند کوئی عورت ہو، نہ کہ مرد۔ اصل ضرورت یہ ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک کو دوسرے فریق کی ضروریات اس طرح نظر آئیں جیسے کہ وہ اس کی اپنی ہوں۔ وہ ضروریات حسب ذیل ہیں:

مرد کی ضروریات

۱- **اعتماد:** میاں، بیوی کے ساتھ معاملات میں شرکت اور تعاون کرتا ہے، اس کی حفاظت و پاسبانی کے لیے مستعد رہتا ہے، اور جو کچھ بھی وہ خرچ کرتا ہے وہ بیوی اور خاندان کی خوشنودی اور خوش حالی کے لیے خرچ کرتا ہے، نیز یہ کہ وہ ہمیشہ اپنے خاندان کی بہتری کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ لہٰذا اسے محسوس ہونا چاہیے کہ اسے اپنی بیوی کا اعتماد حاصل ہے اور وہ اس کی قدردان ہے۔

۲- **قبولیت:** بیوی کی طرف سے میاں کو کسی اصلاح و تبدیلی کی شرط کے بغیر قبول کرنا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کامل فرد ہے، جب کہ کمال تو صرف اللہ وحدہ سبحانہ و تعالیٰ ہی کے لیے ہے، لیکن وہ قبولیت، اس بات کی دلیل ہوگی کہ بیوی شوہر سے مطمئن ہے، اور وہ باور کرتی ہے کہ شوہر اپنی غلطیوں کی اصلاح کا اہل ہے اور بیوی کی دائمی نصیحتوں کا حاجت مند نہیں ہے۔ اس صورت میں بیوی کے لیے سہولت پیدا ہو جائے گی کہ شوہر اس کی بات پر دھیان دے اور اس کی رائے کو قبول کر لے۔

۳- **تحسین / قدردانی:** شوہر بیوی کی طرف سے تحسین و قدردانی محسوس کرے۔ جب بھی وہ خاندان کے لیے زبانی یا عملی طور پر کوئی چیز پیش کرے تو بیوی کی طرف سے احسان مندی،

شکر گزاری اور حسن سلوک کے اعتراف کا اظہار ہونا چاہیے' اور اسے شوہر کی شخصیت اور اس کی رائے کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھنا چاہیے۔

۴- **پسندیدہ نگاہ**: شوہر کی عملی زندگی میں کامیابی کی بنیاد' اس کے خاندان میں اندرونی امن و سکون' اس کی بیوی کی طرف سے اس کی شخصیت' اور اس کی داد و دہش کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھنا شوہر کی اپنی ثابت قدمی اور پختہ ارادے پر منحصر ہے۔ یہ سب کچھ مل کر شوہر کی زندگی میں اہم اور بنیادی مقاصد کی تسکین کا باعث بنتا ہے۔

۵- **تائید**: یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ہر شوہر ایسا مردِ میدان بننے کا خواہش مند ہوتا ہے جو اپنی بیوی کی تمناؤں کا مصداق ہو۔ یہ مقام حاصل کرنے کی وہ سر توڑ کوشش کرتا ہے، اور بہترین حوصلہ افزائی جو شوہر کو اس دوران میں حاصل ہو سکتی ہے وہ اس کی بیوی کی تائید ہے۔ البتہ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ بیوی کی تائید کا مطلب شوہر کے ہر کام میں دائمی موافقت نہیں اور نہ یہ موافقت ہی خود اس کام کے لیے ہوتی ہے بلکہ یہ موافقت اور تائید ان اسباب اور نیک ارادوں پر بھی ہو سکتی ہے جو شوہر اس کام کے بارے میں بروے کار لاتا ہے۔

۶- **حوصلہ افزائی**: بیوی کی طرف سے شوہر کی حوصلہ افزائی اور بلند خواہشات کے حصول کے لیے اس کی ثابت قدمی پر اس کے عزم و ارادے کو تقویت دینے سے شوہر سمجھتا ہے کہ بیوی پورے طور پر اس کی مزاج شناس ہے' نیز شوہر کی کامیابی کے لیے بیوی کا خواہش مند ہونا ایک ایسا امر ہے جو بیوی اور اس کے خاندان کی کامیابی کو یقینی بنا دیتا ہے۔

بیوی کی ضروریات

۱- **توجہ اور دل چسپی**: بیوی اپنے میاں کی طرف سے توجہ کے اظہار اور دل چسپی کی ضرورت مند ہوتی ہے۔ اسے آگاہی ہونی چاہیے کہ وہ میاں کی نظر میں ایک ممتاز شخصیت ہے اور شوہر کی زندگی میں اسے ایک قابل ذکر مقام حاصل ہے۔

۲- **ہمدردی**: بیوی محسوس کرے کہ اس کا شوہر اس کی نسوانی حالت سے باخبر ہے اور اس کے احساسات کے ساتھ تعامل میں اپنے اوپر گزرنے والی نفسیاتی کیفیات کو سمجھتا ہے' اور یہ

کہ وہ اس کا ہمدرد ہے۔

۳- احترام: بیوی کی ضروریات میں سے ایک اہم ضرورت شوہر کی طرف سے بیوی کے اس احساس کو پختہ کرنا ہے کہ وہ بذات خود ایک قابل احترام اور آزاد شخصیت ہے' اور دلیل کے طور پر وہ اس کی بات کو دل چسپی سے سنتا ہے اور اس کی رائے اور خیالات کو اہمیت دیتا ہے۔

۴- توجیح: جب شوہر بیوی کی ضروریات کو ترجیحاً پورا کر دیتا ہے اور پوری مستعدی کے ساتھ اس کی تائید اور اس کے ساتھ تعاون کرتا ہے' تو بیوی اپنے تئیں اپنی حاجات کو پالیتی ہے اور اپنے لیے اپنے شوہر کے جذبہ (محبت) کو محسوس کرتی ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ وہ شوہر کی منظور نظر ہے حتیٰ کہ شوہر اسے اپنی ذات پر بھی ترجیح دیتا ہے تو وہ اس سے متاثر اور خوش ہو کر پورے اعتماد کے ساتھ اپنی زندگی کو اپنے شوہر اور خاندان کے لیے وقف کرتی اور اپنے احساسات کو ان پر نچھاور کر دیتی ہے۔

۵- اظہار احساسات کی آزادی: شوہر کی طرف سے بیوی کو اسے تمسخر کا نشانہ بنائے بغیر اظہار خفگی کا استحقاق اور اسے اپنے احساسات کی تعبیر کی مکمل آزادی ہونی چاہیے۔

۶- مستقل یقین دھانی: اکثر شوہر یہ سمجھتے ہیں کہ شوہر کی اپنی بیوی کے ساتھ طویل رفاقت اور بیوی کے حسن سلوک کا مطلب لازماً یہ ہے کہ وہ اس کے اخلاص اور ایثار کے باعث اسے ایک مثالی شخص باور کرتی ہے جو اس کے احساسات اور وفاداری کا ثبوت ہے' نیز یہ کہ وہ اس کے جذبات کی سچائی کی دلیل ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیوی مستقل یقین دہانی چاہتی ہے کہ وہ شوہر کے جملہ احساسات کی مالکہ ہے، اس کی توجہ اور دل چسپی کا محور و مرکز ہے اور شوہر کے ہاں مرور زمانہ کے ساتھ اس کی قدر و منزلت میں کوئی کمی نہیں ہوئی' بلکہ بڑھی ہے۔ یہ جواب ہے جو بیوی اپنے شوہر سے سننا چاہتی ہے۔ جب وہ ایک عمر کے بعد اس کے احساسات کی سچائی کے متعلق سوال کرنا چاہے تو شوہر کی طرف سے سرد مہری کی کیفیت اسے صدمے سے ہم کنار کر دیتی ہے۔

عوامل اور رکاوٹیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک ان جملہ کیفیات کا ضرورت مند ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میاں توجہ، دل چسپی، احترام، ترجیح وغیرہ کا حاجت مند نہیں ہوتا اور نہ یہ کہ بیوی اعتماد و تائید وغیرہ نفسیاتی حاجات سے بے نیاز ہوتی ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ میاں اپنی مخصوص چھ حاجات حاصل کرلے، وہ دوسری قسم کی حاجات ہرگز نہیں حاصل کرسکتا اور یہی صورت بیوی کے بارے میں ہے کہ جب تک وہ اپنی بنیادی حاجات کو حاصل نہیں کرلیتی' دوسری قسم کی حاجات حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوتی۔ طرفین میں سے ہر ایک جب اپنی اپنی ضروریات حاصل کرلے گا تب ہی وہ دوسری جانب سے بڑے پیمانے کی تحسین و موافقت حاصل کرنے کے قابل ہوگا۔

اختلافات کے لیے فیصلہ کن محرک کیا ہے؟

اللہ عزوجل نے میاں بیوی کی نفسیاتی حاجات میں اس اختلاف کو اسی وقت پیدا فرمادیا جب اس نے آدم و حوا' مذکر و مؤنث کو پیدا فرمایا اور تخلیق کے اس اختلاف کی بنیاد پر دیگر اختلافات مرتب ہوئے اور یہی دونوں کی جسمانی ساخت اور نشوونما کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تذکیروتانیث اور متعین ذمہ داریاں ودیعت فرمائیں۔

نفسیات، تربیت، عادات وروایات کے اس بنیادی اختلاف نے ضروریات میں اختلاف پیدا کردیا۔ ہمارا اس سے اتفاق نہیں کہ اختلاف زندگی کے بگاڑ کا باعث ہے' بلکہ وہ تو اس کا خدمت گار ہے کیوں کہ طرفین ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں اور ان کے مابین نفسیاتی موافقت تکمیل پاجاتی ہے۔

ان ضروریات کے کچھ مخصوص عوامل ہیں جن کی تکمیل کا طریقہ، فطری طریقۂ کار سے مختلف ہوگیا ہے۔ لہٰذا اس نے ماں کی مامتا' بیوی کی زندگی اور عورت کی کامیابی کے معاملے کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ نتیجتاً توازن بگڑ گیا ہے۔

قبل ازیں ماں اپنی بیٹی کی تربیت اس حیثیت سے کرتی تھی کہ پہلے اس نے بیوی بننا

ہے، اس کے بعد ماں۔ مراحل کی یہ وہ ترتیب ہے جس کا اسے نفسیاتی طور پر اہل بنایا گیا ہے۔ مراحل کے توازن کا بگاڑ بہت بڑی غلطی کا ارتکاب ہے۔ لہٰذا ہم نہ صرف نفسیاتی حاجات کے مطالعہ کے ضرورت مند ہیں بلکہ ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم باہمی کش مکش کے مراحل' جو میاں بیوی کے درمیان بُعد پیدا کرتے ہیں' سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بہت زیادہ نفسیاتی تعلیمات حاصل کریں۔

ازدواجی زندگی سے متعلق فریقین کا تصور الگ الگ ہوتا ہے لیکن بنیادی طور پر ضروریات میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا جیسا کہ حاجت پوری کرنے کے درجے میں بھی کوئی ضابطہ نہیں ہوتا۔ البتہ بعض حالات میں بیوی اعتماد' توجہ یا تائید وغیرہ کی زیادہ مقدار کی حاجت مند ہوسکتی ہے۔

ایسے امور جوان تمام نفسیاتی مطالبات کے پورا ہونے میں طرفین کے لیے رکاوٹ بن سکتے ہوں اور پھر وہ جاری بھی رہیں' درج ذیل ہیں:

۱- زوجین کے حقوق یا ان میں سے کسی ایک کی حاجات کا نظرانداز کر دینا۔ اگر ان کی تکمیل کا براہ راست اور فوری طور پر اہتمام نہ کیا جائے تو وہ دردانگیز احساسات اکٹھے ہوتے اور ایک لمبے عرصے تک تہ بہ تہ جمع ہوتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ کسی غیر مناسب وقت پر پھٹ پڑتے ہیں۔ لہٰذا فریقین کا فرض ہے کہ وہ بلاتاخیر معاملات کو نمٹا لیں۔

۲- طرفین میں سے کوئی ایک اپنی بہت سی خواہشات کو ایثار و قربانی کے نام پر ترک کر دے تاکہ وہ ایثار کیش شمار کیا جائے' جب کہ وہ ان خواہشات کو پورا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ ہاں' اگر ان میں سے کسی ایک پر ایثار کرنا ناگزیر ہو تو ضرور کیا جائے اور زوجین اپنا نصب العین بنالیں کہ وہ جو کچھ بھی اپنے خاندان کے لیے کریں' وہ ایک ہی نہر میں ڈالا جائے جو ان کے خاندان کی سعادت مندی اور خوشحالی کی نہر ہے۔

اگر میاں یا بیوی کی طرف سے مذکورہ چھ ضروریات میں سے کوئی ضرورت سے زیادہ بطور عطیہ پوری کی جائے تو ان کے مابین تائید، حوصلہ افزائی اور نصائح کی کثرت کے ساتھ ایسا تعلق پیدا ہو جائے گا جیسا کہ ماں کا بیٹے کے ساتھ۔ نتیجتاً معاملہ دو طرح تقسیم ہو جائے گا' یا تو

میاں اس بارے میں کوفت و پریشانی میں مبتلا رہے گا اور یا ہتھیار ڈال دے گا اور اس دوران میں بیوی کو شکایت رہے گی کہ خاندان میں ہر شے کے بارے میں وہی مسئول اول بن کر رہ گئی ہے۔

۳- زوجین کو یہ حقیقت معلوم ہو جانی چاہیے کہ مرد اپنے فیصلے میں تائید کا طلب گار ہوتا ہے، جب کہ عورت اپنے فیصلے میں شرکت کی خواست گار ہوتی ہے۔ مرد کی فطرت آزادی اور خوداعتمادی پر مشتمل ہوتی ہے، جب کہ عورت شرکت کی طرف مائل ہوتی ہے اور شرکت بھی اس کی، جسے وہ پسند کرتی ہو۔

۴- سوے ظن اور بدگمانی ازدواجی زندگی کی رفتار میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ قرآن حکیم اور سنت مطہرہ میں ہمیں لوگوں سے بدگمان ہونے سے منع فرمایا گیا ہے اور میاں کی بیوی سے یا بیوی کی میاں سے بدگمانی بدرجہ اولیٰ اجتناب کی متقاضی ہے۔ لازم ہے کہ بیویاں اپنے شوہروں اور شوہر اپنی بیویوں کے ساتھ حسن ظن کا رویہ اختیار کریں، اور کمال تو صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی کے لیے ہے۔ لیکن زوجین کے مابین حقیقی اشتراک و ہم آہنگی تو وہ ہے جو زندگی کے باہم متصادم نقطہ ہاے نظر میں آئے۔ (انٹرویو: ایمان الشوبکی، ترجمہ: خدابخش کلیار، ہفت روزہ المجتمع ۲۵ مئی ۲۰۰۲ء)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ○ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک بری موت سے بچاتا ہے

○ چھپا کر دیا جانے والا صدقہ رب کی آتش غضب بجھاتا ہے ○ اور صلہ رحمی سے عمر میں برکت

ہوتی ہے۔ (ترغیب بحوالہ طبرانی)



رسائل و مسائل

زر سے زر پیدا کرنے والی اسکیموں کی حیثیت

سوال: آج کل ایک اسکیم بزناس (Biznas) کے نام سے رائج ہے۔ جس میں لوگ بڑی دل چسپی لے رہے ہیں۔ اس کا طریقۂ کار حسب ذیل ہے:

انٹرنیٹ کے ذریعے سے ممبر اپنا اکاؤنٹ کھولتا ہے اور ۶ ہزار روپے کمپنی کو جمع کروا کر ممبرشپ حاصل کرتا ہے۔ وہ ممبر پھر مزید دو افراد کو ممبرشپ دلواتا ہے جو مزید چھ چھ ہزار روپے کمپنی کو جمع کرواتے ہیں۔ اسی طرح ہر فرد مزید دو افراد کو ممبر بنانے کا مکلف ہوتا ہے۔ جب نو افراد ممبر بن جاتے ہیں تو پہلے ممبر کو ۳ ہزار ۳ سو روپے کا چیک مل جاتا ہے۔ گویا ہر فرد ۵۴ ہزار روپے کمپنی کو جمع کروا کر ۳ ہزار ۳ سو روپے حاصل کرتا ہے۔ علاوہ ازیں کمپنی ہر ممبر کو ایک سال کے پیکج کے لیے جس کی لاگت ۳۰ ہزار سے ۴۰ ہزار ہوتی ہے loyaity کارڈ (۵ سے ۵۰ فی صد رعایت) فراہم کرتی ہے۔ اس اسکیم سے بہت سے لوگ وابستہ ہو رہے ہیں۔ کیا یہ اسکیم سود پر مبنی ہے؟

جواب: جہاں تک معاشیات اور اسلامی معاشیات کے طالب علم کی حیثیت سے میرا مطالعہ ہے، میں بزناس اور اس نوعیت کے دوسرے کاروباری سلسلوں کو نہایت شک کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔

اسلامی معاشیات کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ سرمایہ، محنت اور قدرتی وسائل کا استعمال اس طرح کیا جائے کہ پیداواری صلاحیت اور اثاثوں کی تخلیق (asset creation)

رونما ہو۔ اسی سے اضافۂ قدر (value added) کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور پیداواری صلاحیت (productivity) بڑھتی ہے' اشیا اور خدمات کی رسد بڑھتی ہے اور انسانوں اور معاشرے کی ضروریات پوری ہونے کا سامان کرتی ہے۔ یہی عمل ہے جسے پیدایش دولت (wealth creation) کہا جاتا ہے اور یہی وہ عمل ہے جو انسانوں کے لیے خیر اور فلاح کا باعث ہوتا ہے۔ اس نظام میں زر (money) کا کردار یہ ہے کہ وہ دو انسانی یا مادی (human or physical) وسائل کے درمیان تبادلے کا ذریعہ اور اس طرح حقیقی معاشی سرگرمی کو آگے بڑھانے کا وسیلہ بنتا ہے۔ اس طرح زر ایک زرِمبادلہ (medium of exchange) ہے' ایک معیارِقدر ہے اور حال اور مستقبل کے معاشی لین دین کے لیے مرکزی حوالہ (reference point) ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشیات میں زر خود ایک شے (commodity) نہیں ہے اور زر کی خرید و فروخت بحیثیت زر ممنوع ہے۔ زر صرف ایک ذریعہ ہے' خود اس سے مزید زر پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بنیادی تصور ہے اور میرے علم کی حد تک ہر مذہب اور ہر اس تہذیب نے جس کی اخلاقی بنیادیں ہوں اس بنیاد کو تسلیم کیا ہے۔ ارسطو تک نے یہ بات کہی تھی کہ زر' زر پیدا نہیں کرتا ("money does not beget money")۔

یہی وجہ ہے کہ سود (ربٰو) اسلام میں ہر شکل میں ممنوع ہے۔ اس کی اخلاقی' تہذیبی اور معاشی بنیاد یہ ہے کہ اگر زر مادی اثاثوں (physical assets) یا خدمات (services) کے فروغ کا ذریعہ بنتا ہے' تو اس کے ذریعے سے جو نمو اور اضافہ (value creation) وجود میں آتا ہے' اور جسے منافع کہا جاتا ہے وہ ایک جائز اضافہ ہے اور یہی وہ اضافہ ہے جو انسانی زندگی کو ضروریات کی تکمیل اور خوش حالی سے ہم کنار کرتا ہے۔ تجارت اور اس سے حاصل ہونے والے نفع کو جائز اور مطلوب قرار دینے اور ربٰو سے حاصل ہونے والے اضافے کو خسارہ اور ظلم قرار دینے کی یہی بنیاد ہے۔ ہر وہ کاروبار جس کے نتیجے میں اثاثوں کی تخلیق ہو' خواہ اشیاے صرف کی شکل میں ہو یا اشیاے پیداوار یا خدمات کی' مفید اور جائز ہے۔ اور صرف روپیہ کے لین دین سے اثاثوں کی تخلیق کے بغیر اضافہ ربٰو کی تعریف میں آتا ہے۔

جس کاروبار کا آپ نے ذکر کیا ہے اور جو تفصیل اس کی آپ نے بیان کی ہے اِس

اصول کی روشنی میں اس کا ہدف بظاہر اثاثوں کی تخلیق نہیں بلکہ کسی کا پیسہ لے کر کسی دوسرے کو پیسہ دینا ہے۔ اس طرح اضافے اور آمدنی کو حقیقی پیداواری عمل کے بجائے محض روپیہ کے ہیرپھیر کی صورت میں استعمال کرنا اخلاقی اور معاشی دونوں اعتبار سے ان مقاصد کو پورا نہیں کرتا جو شریعت کا منشا ہے۔ جہاں تک loyalty کارڈ کا معاملہ ہے وہ ایک غیر متعلق چیز ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محض چاشنی کے لیے اسے اس اسکیم پر لگا دیا گیا ہے۔ اس طرح کا کارڈ آج مغربی دنیا میں عام چیز ہے اور اسے اس قسم کے سرمایے کے لین دین سے منسلک کرنا کوئی منطقی بات نہیں۔ اس قسم کے کارڈ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک ہی سٹور سے خریدے اور ادارے سے تعلق کی بنیاد پر اور اپنی خریداری میں استمرار (continuity) کی وجہ سے اسے کٹوتی دی جائے۔ بظاہر اس پوری اسکیم میں یہ کارڈ ایک الگ چیز ہے اور پیسہ بٹور کر پیسہ دینا ایک دوسری چیز ہے۔

اگر صورت حال کے بارے میں میرا تجزیہ صحیح ہے تو اس طرح کے اکاؤنٹ سے جو منافع حاصل ہوگا' اسے اسلامی معاشیات (اور خود جدید معاشیات) کی رُو سے منافع میں حصہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے کہ سرمایے میں اضافہ کسی پیداواری عمل سے مربوط نہیں ہے۔ میری نگاہ میں یہ زرہی کے لین دین کی ایک نسبتاً 'تہذیب یافتہ' (sophisticated) اور پیچ در پیچ (round about) کوشش ہے جو معاشی اعتبار سے مخدوش اور اخلاقی اعتبار سے ناقابلِ دفاع ہے۔ اس سے ایک قسم کی حبابی معیشت (bubble economy) تو پیدا ہو سکتی ہے لیکن مادی اثاثوں کی وہ تخلیق رونما نہیں ہوتی جو اسلام اور خود معاشیات کا اصل ہدف ہے۔ یہ میری ذاتی رائے ہے اور خالص شرعی پہلو کے لیے مناسب ہے کہ آپ صاحبِ نظر اور ثقہ علما سے رجوع کریں۔ (پروفیسر خورشید احمد)

بنک کے سود کا استعمال

س: موجودہ بنک کاری نظام سودی ہے اور صہیونیت کے شکنجے میں پوری طرح جڑا ہوا

ہے۔ اسلامی بنک کاری بھی ابتدائی مراحل میں ہے۔ عام آدمی اپنی مختلف مجبوریوں، ضرورتوں اور تحفظ کے پیش نظر بنک میں پیسہ رکھنے پر مجبور ہے اور اسے اپنی رقم کے عوض سود لینا پڑتا ہے۔

میری تجویز ہے کہ جب تک کوئی متبادل میسر نہیں آتا اس سود کو حاصل کر کے خود استعمال کرنے کے بجائے غریب اور نادار افراد کی ضروریات پر خرچ کیا جائے، اور مفلوک الحال لوگوں کی حالت بدلنے پر صرف کیا جائے۔ کیا یہ تجویز شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے؟

ج : اس وقت بنکنگ کا جو صہیونی نظام ہے اس کے شکنجے سے نکلنے کی تدبیر وہ قیادت کر سکتی ہے جو ایمان اور علم و عمل سے سرشار اور امریکی عالمی استعمار کی ذہنی غلامی سے آزاد ہو۔ اس وقت تک اس نظام کے ظلم سے اپنے آپ کو کس طرح بچایا جائے؟ اس کے لیے متعدد تجاویز میں سے ایک تجویز وہ ہے جو آپ نے پیش کی ہے۔

مجھے آپ کی اس تجویز سے کہ سودی منافع بنک سے حاصل کر لیا جائے اور خود استعمال کرنے کے بجائے اپنے مفلوک الحال بھائیوں کو دے دیا جائے، سے اتفاق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سود لینا ظلم ہے اور سود دینا ظلم میں تعاون ہے۔ بنک سود لیتا ہے، مقروض اشخاص اور ادارے اسے سود دیتے ہیں اور اس طرح وہ ظلم میں بنک سے تعاون کرتے ہیں۔ بنک ظلماً جو سودی رقمیں لیتا ہے اس کا بہت بڑا حصہ خود رکھ لیتا ہے اور اس کا تھوڑا سا حصہ کھاتہ داروں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ بنک مقروض اداروں کے ساتھ بھی ظلم کرتا ہے اور کھاتہ داروں کے ساتھ بھی۔ مزید یہ کہ وہ کھاتہ داروں کو اس ظلم میں اپنے ساتھ شریک بھی کرتا ہے۔

کھاتہ داروں کے لیے اس ظلم سے نکلنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بنک سے سودی منافع وصول کر لیں اور ان لوگوں تک پہنچا دیں جن سے سود لیا گیا ہے۔ اصل حق دار وہی ہیں لیکن ان کا معلوم کرنا اور ان تک رقم پہنچانا ناقابل عمل ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فقرا اور مساکین تک یہ رقم پہنچا دی جائے۔ یہی وہ صورت ہے جو آپ نے تجویز کی ہے۔ یہ قابل عمل ہے اور احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ گم شدہ رقم اور سامان کا حکم احادیث میں یہ بیان

کیا گیا ہے کہ اس کے اصل مالک کو تلاش کیا جائے اور رقم اور سامان اس تک پہنچایا جائے۔ اگر سال دو سال تک اعلان اور تشہیر کے باوجود اصل مالک نہ ملے تو اس رقم کو فقرا اور مساکین میں تقسیم کیا جائے گا۔ اس کا ثواب اصل مالک کی طرف گم شدہ رقم اور سامان کو فقرا میں تقسیم کرنے والے کو ملے گا کہ اس نے رقم بے جا صرف کرنے کے بجائے حق دار پر صرف کی ہے۔ سودی منافع بھی گم شدہ رقم اور سامان کے حکم میں ہے کہ اصل مالکوں تک اس کا پہنچانا ناقابل عمل ہے۔ لہٰذا اسے بنک سے وصول کر لیا جائے اور فقرا اور مساکین میں تقسیم کر دیا جائے۔ فقرا ان رقوم کے حق دار ہیں جن کے مالک معلوم نہ ہو سکتے ہوں۔ آپ سودی منافع وصول کر کے اپنے رشتہ داروں یا معاشرے کے مفلوک الحال افراد تک پہنچا سکتے ہیں۔ جماعت اسلامی اور دینی تحریکیں اس حل سے متفق ہیں۔ البتہ اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ خود اس رقم کو استعمال نہ کریں تاکہ اس کا ناجائز ہونا ذہن میں مستحضر رہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو رزق حلال عطا فرمائے۔ آمین! (مولانا عبدالمالک)

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ لاہور سے شائع کیا

کتاب نما

آزاد ہندوستان میں مسلم تنظیمیں' ایک جائزہ' ڈاکٹر سید عبدالباری۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف آبجکیٹو اسٹڈیز' نئی دہلی۔ صفحات: ۳۶۸۔ قیمت: ۲۵۰ روپے۔

تقسیمِ ہند کے بعد بھارت کے مسلمان ایک ایسی انوکھی صورتِ حال سے دوچار ہوئے جو انھیں تاریخ میں اس سے پہلے کبھی پیش نہیں آئی تھی۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو بظاہر ''جمہوریت کی نئی صبح'' طلوع ہوئی تھی اور آزادی و مساوات کی بشارت دی گئی مگر حقیقت میں ہندو اکثریت کے غصہ و انتقام کے ایک نئے دَور کا آغاز ہو چکا تھا۔

نئے حالات کے پیش نظر اور گوناگوں مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لیے گذشتہ ۵۰ برسوں میں بھارت کے مسلمانوں اور مسلم جماعتوں اور تنظیموں نے طرح طرح کی حکمت عملیاں اختیار کیں۔ اس ضمن میں زیرنظر کتاب میں حسب ذیل مسلم تنظیموں کی کاوشوں اور کوششوں کا جائزہ لیا گیا ہے: جمعیت العلماے ہند' امارتِ شرعیہ بہار و اڑیسا' تبلیغی جماعت' جمعیت اہل حدیث' جماعت اسلامی' مسلم لیگ' کل ہند تعمیر ملّت' مجلس اتحاد المسلمین' مسلم مجلس مشاورت' مسلم مجلس' آل انڈیا مسلم پرسنل بورڈ' اسٹوڈنٹ اسلامک موومنٹ آف انڈیا' انسٹی ٹیوٹ آف آبجکیٹو اسٹڈیز' آل انڈیا ملّی کونسل۔

یہ کتاب ایک طرح سے مذکورہ بالا تنظیموں کا تعارف ہے' (مختصر تاریخ' طریق کار اور حکمت عملی کا تجزیہ)۔ مصنف نے صدر یار جنگ' سلیمان ندوی' مناظر احسن گیلانی' مولانا مدنی' مولانا لاہوری' ابوالکلام اور مولانا تھانوی کے نام لے کر' یہ سوال اٹھایا ہے کہ اتنے بڑے ذہن و دماغ کے انسان رکھنے والی اُمت آخر کیوں اپنے پیروں پر کھڑی نہ ہو سکی؟ ڈاکٹر سید عبدالباری کے نزدیک اس کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے بیشتر علما نے مغرب کے اقتدار اور

جبروت کے اسباب پر کبھی سنجیدگی سے غور نہیں کیا اور اس کی ترقی کے اسباب کا تجزیہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور صرف انگریز دشمنی کو اپنا مذہب و مسلک بنالیا۔ مزید برآں مغرب کے اُن فلسفوں کا توڑ کرنے کے لیے انھوں نے کوئی بڑا تحقیقی ادارہ قائم نہیں کیا جو پوری دنیا میں اتھل پتھل مچائے ہوئے تھے اور بعض عالی مرتبت علما ذہنی طور پر اشتراکیت سے مرعوب تھے اور مدارس کا ماحول عام طور پر دیگر مسالک کی تغلیط و تردید کا ہی رہا (ص ۵۰-۵۱)۔

مصنف نے جماعتوں اور تنظیموں کے انفرادی کردار' خدمات اور ان کے کارناموں کے ساتھ ان کی خامیوں' ناکامیوں اور کمزور پہلوؤں کی بھی نشان دہی کی ہے۔ مگر مصنف کی تنقید بہت معتدل اور محتاط ہے۔ تبصروں اور تجزیوں میں انھوں نے بہت کچھ سنبھل سنبھلا کر' اور پھونک پھونک کر قدم اٹھایا ہے' اور بالعموم اختلافی پہلوؤں کے ذکر سے گریز کیا ہے۔ مثلاً تبلیغی جماعت کا (مولانا محمد الیاس اور مولانا محمد یوسف کے دَور تک) فقط تعارف کرا دیا ہے مگر اب کیا صورتِ حال ہے؟ اس پر' ماسوا دو تین جملوں کے (ص ۱۴۳) کچھ کلام کرنے سے گریز کیا ہے--- جماعت اسلامی کی کمزوریوں کی طرف ہمدردانہ اشارے بھی کیے ہیں (ص ۱۹۹-۲۰۰)۔

ڈاکٹر سید عبدالباری ایک تجربہ کار معلّم اور اُردو کے معروف ادیب و شاعر اور نقاد ہیں۔ انھیں یہ علمی منصوبہ' دہلی کے انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز کی طرف سے سونپا گیا تھا۔ ان کا کام بہت اہم مگر اتنا ہی نازک تھا۔ کتاب میں (''اگرچہ''...... ''پھر بھی'' کے اسلوب کے ذریعے) ترازو کے دونوں پلڑے برابر رکھنے کی سعی نظر آتی ہے۔ مجموعی طور پر ان کے ہاں اُمید افزا پہلو غالب ہے۔ اس طویل تجزیے کا اختتام بھی ان سطور پر ہوتا ہے کہ ۵۰ سال کی طویل سیاہ رات کے بعد آفتابِ تازہ کا طلوع زیادہ دُور نہیں اور راقم کو اس صبحِ روشن کے قدموں کی آہٹ صاف طور پر سنائی پڑ رہی ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی)

تصویرِ حیات' پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ قاضی۔ ناشر: تنظیم اساتذہ پاکستان' ۳-بہاول شیر روڈ' مزنگ' لاہور۔ صفحات: ۲۱۶۔ قیمت: ۱۰۲ روپے۔

یہ ایک ایسے معلّم اور مصنف کی آپ بیتی ہے جو ریاست دیر جیسے دُور افتادہ اور پس ماندہ

علاقے میں پیدا ہوا۔ ریاست میں ایک بھی اسکول نہ تھا۔ لوگ چھپ چھپ کر یا باہر جا کر تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ نواب دیر اپنی رعیت کو تعلیم دینے کے خلاف تھا۔ کسی کو اسکول کھولنے کی اجازت نہ تھی مگر ان کے اپنے بیٹے بیرونِ ملک جا کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ریاست میں کتوں کے لیے تو شفاخانہ موجود تھا مگر انسانوں کے لیے کوئی ہسپتال نہیں تھا (ص ۳، ۴)۔

مصنف نے غربت اور تنگ دستی کے عالم میں تکلیفیں برداشت کر کے اور محنت و مشقت کی زندگی گزارتے ہوئے، نہایت عزم و ہمت اور حوصلے کے ساتھ ریاست سے باہر جا کر تعلیم حاصل کی۔ کیمبرج یونی ورسٹی سے ایم لٹ اور پشاور یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ پشاور یونی ورسٹی میں لیکچرر ہوئے اور ترقی کرتے ہوئے ڈین کے عہدے تک پہنچ کر سبکدوش ہوئے۔

مصنف کی اس بات پر تو رشک ہی کیا جاسکتا ہے کہ دنیا میں بلا مبالغہ کوئی ایسی نعمت نہیں جو اللہ نے مجھے نہیں دی اور کوئی ایسی آرزو نہیں کی جو اللہ نے پوری نہیں کی (ص ۳۰۷)۔ لیکن آپ بیتی پڑھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ نہایت غریب گھرانے اور انتہائی پس ماندہ علاقے کے ایک شخص نے جو کچھ بھی ترقی کی، اس کے پسِ پردہ توفیقِ الٰہی کے ساتھ مصنف کی نیک نیتی، خلوص، عزم و ہمت اور دوسروں سے ہمدردانہ رویہ، اپنے فرائض کی دیانت دارانہ بجا آوری، وقت کی سختی سے پابندی، سخت کوشی، سحر خیزی اور رزق حلال جیسے عادات و معمولات اور عوامل و عناصر کارفرما ہے۔ کہتے ہیں کہ میں اسکول کے زمانے میں کبھی کبھی سارا سارا دن بھوکا رہتا تھا لیکن واپسی پر (دوسرے ہم جماعتوں کی طرح) بلا اجازت کسی کھیت سے گنا نہیں توڑا (ص ۲۹)۔ ہمیشہ پہلا پیریڈ لیا اور صبح جاگنے کے لیے کبھی الارم کلاک کا استعمال نہیں کیا (ص ۱۵۳)۔

مصنف کے بیرونِ ملک اسفار کے تجربات دل چسپ ہیں، مثلاً: اوّل، کیمبرج کے ایک پروفیسر نے قادیانی سمجھ کر ان کی خوب حوصلہ افزائی کی لیکن جب پتا چلا کہ "میں قادیانی نہیں تو اس نے مجھ میں دل چسپی لینی چھوڑ دی" (ص ۲۴۷)۔ ہم کیمبرج کے پروفیسروں کی مہارتِ علمی اور رہنمائی سے بہت مرعوب ہیں مگر مصنف کا تجربہ مختلف ہے۔ ان کے نگرانِ مقالہ نے ان کی صحیح رہنمائی نہ کی اور نہ کوئی خاص مدد کی۔ البتہ مصنف نے پروفیسر آربری کی تعریف کی ہے کہ

ان کا طرزِ عمل سارے کا سارا ایک مسلمان کا تھا، بس کلمہ پڑھنے کی توفیق نہیں ملی۔ دوم: مصنف نے اپنے کچھ دیگر تجربات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہودی پوری انسانیت کو بداخلاق بنانے پر تلے ہوئے ہیں اور انھوں نے مسلمان ملکوں میں جاسوسی کے جال بچھا رکھے ہیں۔

آخری حصے میں ایک پورا باب تنظیم اساتذہ پاکستان پر ہے۔ قاضی صاحب نے تنظیم کی اہمیت و خدمات کے ساتھ اپنے اُوپر اس کے احسانات کا اعتراف کیا ہے لیکن تنظیم اور افرادِ تنظیم کی کمزوریوں، خامیوں اور اصلاح طلب پہلوؤں کا بھی بڑے کھلے اور واشگاف انداز میں ذکر کر دیا ہے۔ یہ ایک طرح کا مکتوبِ مفتوح ہے۔

قاضی صاحب کا اسلوب رواں دواں اور آسان ہے۔ اگرچہ فنی اور ادبی اعتبار سے تو یہ خودنوشت کوئی بلند پایہ آپ بیتی قرار نہیں دی جاسکتی، لیکن مصنف نے جس خلوص، کھلے دل و دماغ، صاف گوئی اور بے لاگ انداز میں اسے لکھا ہے اس لحاظ سے یہ ایک دل چسپ، معلومات افزا، سبق آموز اور قابلِ مطالعہ آپ بیتی ہے۔

اگر اس کی تدوین کی جاتی اور تکرار یا غیرضروری حصوں کو نکال دیا جاتا اور زبان و بیان میں بھی کچھ اصلاح کر دی جاتی تو یہ کہیں زیادہ خوب صورت اور عمدہ خودنوشت کا درجہ حاصل کر لیتی (ضخامت بھی کم ہو جاتی)، تاہم موجودہ صورت میں بھی اس میں ایک اچھی آپ بیتی کی بعض خوبیاں موجود ہیں، مثلاً مصنف کا خوداحتسابی کا رویہ، اپنی غلطیوں اور شخصی کمزوریوں کا اعتراف، صاف گوئی اور اپنے شدید مخالفین سے براہِ راست مکالمے کا اہتمام اور ان کی خوبیوں کا اعتراف وغیرہ۔ (ر- ہ)

قرآن اور علمِ جدید، ڈاکٹر محمد رفیع الدین (تلخیص: محمد موسیٰ بھٹو)۔ ناشر: سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ، ۴۰۰ بی، یونٹ ۴، لطیف آباد، حیدرآباد۔ صفحات: ۲۷۲۔ قیمت: ۱۰۰ روپے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین (۱۹۰۴ء-۱۹۶۹ء) ایک ممتاز فلسفی، اقبال شناس اور جدید علوم کے اسکالر تھے۔ ان کی عالمانہ تصنیف قرآن اور علمِ جدید بقول ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان: "جدید نظریات کو اسلام کی کسوٹی پر پرکھنے اور اسلام کے نظریۂ لاشعور، نظریۂ جبلت، نظریۂ

فوقیت اور نظریۂ معاش اور اسلام کے نظریۂ قومیت کی تشریح کے سلسلے میں--- سب سے نمایاں اور منفرد نوعیت کی کتاب ہے''۔ محمد موسیٰ بھٹو نے بکثرت ذیلی سرخیوں کے اضافے کے ساتھ اصل کتاب کی تلخیص پیش کی ہے۔ شروع میں ایک طویل مضمون میں بھٹو صاحب نے مصنف مرحوم کی فکر کے اہم پہلوؤں کا خلاصہ اور ان کی بعض کتابوں سے اقتباسات دیے ہیں۔ یہ سب مباحث فکری اعتبار سے بہت اہم ہیں۔ مصنف کی علمیت مسلّمہ اور عالمانہ نقد و تبصرہ اور گرفت بہت عمدہ اور برمحل ہے۔

اصل کتاب کے آخری سو صفحات (مارکسزم کی بحث) کی تلخیص شامل نہیں کی گئی کیونکہ کتاب کی ضخامت زیادہ ہو چلی تھی۔ تدوین شدہ موجودہ صورت میں آسانی سے پتا نہیں چلتا کہ مرتب کا مطالعاتی جائزہ کہاں ختم ہو رہا ہے اور اصل کتاب کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے؟ فہرست بھی رہنمائی نہیں کرتی۔ کاش اس نہایت مفید کتاب کو تدوین و تلخیص اور معیارِ اشاعت کے لحاظ سے بھی شایانِ شان طریقے سے پیش کیا جاتا۔(ر-ہ)

تبلیغی جماعت کا جائزہ، مولانا عامر عثمانی۔ مرتبہ: سید علی مطہر نقوی امروہوی۔ ناشر: مکتبہ الحجاز پاکستان، اے ۲۱۹، بلاک سی، الحیدری۔ شمالی ناظم آباد، کراچی۔ صفحات: ۲۸۸۔ قیمت: ۱۴۰ روپے۔

مولانا عامر عثمانی مرحوم نے بڑی پتے کی بات کہی ہے: ''ہم یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے تمام گروہ، تمام باضابطہ جماعتیں اپنے اپنے گروہی خیالات و نظریات کو ایک طرف رکھتے ہوئے، اس طوفان ہلاکت کا مقابلہ کرنے کے لیے متحد ہوں، جو ہم سب کو بہالے جانے کے لیے گرجتا، اُمڈتا چلا آرہا ہے، چلا نہیں آرہا، [بلکہ] کبھی کا آچکا ہے''۔ (ص ۱۷۶-۱۷۷)

اس اپیل کے ساتھ وہ لکھتے ہیں: ''تبلیغی جماعت کے اعمالِ خیر پر ہم کبھی معترض نہیں ہوئے، بلکہ موقع بہ موقع انھیں سراہا ہے'' (ص ۲۷۰)۔ واقعہ یہ ہے کہ تبلیغی افراد ایثار و اخلاص اور تصوف کے ملے جلے جذبے سے سرشار گھروں سے نکلتے ہیں مگر اساطیری حوالوں اور ضعیف روایتوں کی آمیزش سے ان کے ''راہبانہ ذہن'' (ص ۱۶۶) تیار کیے جاتے ہیں، انھیں ہمدردانہ دعوتِ فکر سے درست کرنے کی سعی کرنا، ہر عالم، فاضل اور دین کے بہی خواہ پر واجب ہے۔ یہ امر بھی

مشاہدے میں آتا ہے کہ ''جہاں تبلیغی نصاب پڑھا جانے لگا' وہاں ایسا التزام کیا جانے لگا کہ کچھ اور پڑھنے کو عملاً [ممنوع] کر دیا گیا۔ اسی کا نام ہے غیر واجب کو واجب بنا لینا'' (ص ۲۸۳)۔

تبلیغی جماعت کے اس صدقہ جاریہ میں ایسی افراط و تفریط کا در آنا ایمان' جستجو اور حریت کے پیمانوں کو ضعف پہنچانے کا باعث بنتا ہے جس پر نہ صرف جماعت کے بزرگوں کو بلکہ دوسرے راست فکر اہل علم حضرات کو بھی خلوصِ نیت کے ساتھ رہنمائی کرنا چاہیے' عامر عثمانی مرحوم نے یہی خدمت انجام دی ہے۔

جیسا کہ تبصرے کے آغاز میں ہم نے عامر عثمانی مرحوم کا قول نقل کیا ہے کہ اُمت کی مختلف جماعتوں کو اتفاق و ایمان کے ساتھ تعاون کی شاہراہ پر گامزن ہونا چاہیے۔ اسی جذبے کے تحت عامر عثمانی نے مختلف اوقات میں تبلیغی جماعت کے لٹریچر اور ان کے متعدد بزرگوں کی جانب سے' جماعت اسلامی اور مولانا مودودی مرحوم پر ہونے والی تنقید کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا ہے کہ خود: ''تبلیغی جماعت کے چھے اصولوں میں کسی جماعت کو مطعون کرنا' برا بھلا کہنا شامل نہیں ہے'' (ص ۹۷)۔ لیکن مسلموں اور غیر مسلموں کی تمام تحریکوں کو نظرانداز کرتے ہوئے تبلیغی جماعت کے اکابر کے ہاں جماعت اسلامی [اور مولانا مودودی] کے خلاف ایک طرح کی ''ذہنی جارحیت'' نظر آتی ہے'' (ص ۱۴۹)۔ حالانکہ ایسے رویے کی بنیاد مولانا محمد الیاس مرحوم نے نہیں رکھی تھی۔

یہ کتاب مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے بھتیجے اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل مولانا عامر عثمانی مرحوم کے شذرات پر مشتمل ہے' جو انھوں نے خدا ترسی' علمی شان' اور جرأت ایمانی کے ساتھ تحریر کیے ہیں۔ سید علی مطہر نقوی نے انھیں مرتب کر کے ایک اہم خدمت انجام دی ہے۔ یہ کتاب بالخصوص تبلیغی جماعت کے اکابر و اصاغر اور ان کی جدوجہد میں دل چسپی رکھنے والوں کے لیے قابلِ مطالعہ ہے۔ (سلیم منصور خالد)

انسانیت کی تلاش' ملک شیر علی۔ ناشر: علی ویلفیئر سوسائٹی' لاوہ' تلہ گنگ (ضلع چکوال)۔ صفحات: ۲۵۳۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔

سفرنامہ واحد صنفِ ادب ہے جس میں داستان کا تحیّر بھی ہے اور افسانے کی چاشنی

بھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قارئین کی دل چسپی اور پسندیدگی کے پیش نظر گذشتہ ربع صدی میں سفرنامے بکثرت منظرعام پر آئے اور سند قبولیت حاصل کی ہے لیکن نگرنگر گھومنے والے سیاحوں میں بہت کم ایسے لوگ ہوں گے جنھوں نے دنیا کے تین چوتھائی حصے میں سمندروں کے سفر کیے ہوں اور مشاہدات کو منظرعام پر لائے ہوں۔ (حجاج کے بحری اسفار ایک الگ موضوع ہے)۔

اس حوالے سے زیرنظر سفرنامہ بعض کمزوریوں کے باوجود قابلِ توجہ اور خاصا دل چسپ ہے۔ مصنف پاک بحریہ کے ایک سابق ٹیلی گرافسٹ ہیں۔ انھوں نے بعد میں نیوی مرچنٹ میں بطور ریڈیو افسر طویل عرصے تک مختلف جہازوں پر فرائض سرانجام دیے۔ مصنف کو دنیا بھر کے سمندروں میں سفر کرنے اور تمام اہم ملکوں کی بندرگاہوں پر جانے اور وہاں قیام کرنے کے مواقع ملے۔ کئی بار دیارِ غیر میں اُس کے آپریشن ہوئے اور طرح طرح کے مصائب کا سامنا بھی رہا اور دل کھول کر لطف بھی اٹھایا۔ مصنف نے تجربات و مشاہدات کو سیدھے سادے انداز میں پیش کیا ہے۔

متلاطم سمندروں میں جہازوں کے عملے (crew) کو کن کن مصیبتوں سے واسطہ پڑتا ہے اور ان مصائب سے ان کی صحت اور مزاج پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ڈوبتے جہازوں کی مدد کیسے کی جاتی ہے۔ کلبوں میں تفریح طبع کے کیا سامان میسر آتے ہیں۔ پھر وطن سے دُور پاکستانیوں کے کیا رُویّے ہوتے ہیں؟ اسی طرح کے بہت سے پہلو سامنے لائے گئے ہیں۔

مصنف نے اس کتاب کے مرکزی کردار علی کی نجی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ محدود ماحول میں رہنے والے کسی فرد کی نجی زندگی عمومی دل چسپی کا باعث نہیں ہوتی۔ مگر یہاں ایک مخلص، فراخ دل اور جذباتی انسان کی آپ بیتی میں دل چسپی کے ساتھ عبرت کے کئی پہلو بھی نظر آتے ہیں۔

علمی و ادبی بڑے مراکز سے دُور ایک قصبے کے باسی مصنف کی یہ پہلی کاوش ہے۔ اس لیے پختہ قلم کاری کا عدمِ وجود تعجب خیز نہیں۔ واقعات کی زمانی ترتیب میں جھول ہے۔ املا، رموزاوقاف، فقروں کی بندش اور تحریر کے دیگر کئی پہلو نظرثانی کے مستحق اور توجہ طلب ہیں۔ ایک بھرپور نظرثانی کے بعد یہ کتاب ایک منفرد مقام حاصل کرسکتی ہے۔ (عبداللہ شاہ ہاشمی)

تعارف کتب

☆ قرآنی عربی کا پہلو' پہلا' دوسرا' تیسرا قاعدہ۔ ناشر: ادارہ تعمیر انسانیت' کراچی۔ صفحات: ۷۱' ۱۱۴' ۱۳۰۔ قیمت: ۳۰ روپے' ۴۶ روپے' ۵۴ روپے۔[قرآنی عربی آسان اور فطری طریقے سے سکھانے کا قاعدہ تین حصوں میں۔ ان قاعدوں کا بیشتر ذخیرۂ الفاظ قرآن و حدیث سے اخذ کردہ ہے۔]

☆ گفتگو کا چراغ (اسلم انصاری' شخصیت اور فن۔ مصنف: جاوید اصغر' ناشر: فکشن ہاؤس' ۱۸۔ مزنگ روڈ' لاہور۔ صفحات: ۱۹۲۔ قیمت: ۱۲۵ روپے۔[ملتان سے تعلق رکھنے والے معروف شاعر' ادیب اور ناقد' پروفیسر ڈاکٹر اسلم انصاری کی شاعری اور اقبال شناسی کا تجزیہ و تبصرہ۔ ایم اے اُردو کا ایک امتحانی مقالہ۔ بقول خورشید رضوی: ''ہمارے دَور کی ایک اہم شخصیت کے علمی' ادبی اور فکری کمالات کو متعارف کرانے کے لیے یہ محنت قابلِ قدر'' ہے مگر سوانحی حالات کا حصہ مختصر اور تشنہ ہے۔]

☆ فقہ حضرت امام حسن بصری' ڈاکٹر محمد روّاس' قلعہ جی' (ترجمہ: مولانا عبدالقیوم)۔ ناشر: ادارہ معارف اسلامی' منصورہ' لاہور۔ صفحات: ۸۵۰۔ قیمت: ۴۰۰ روپے۔[فقہ انسائی کلوپیڈیا کے سلسلے کی نئی کتاب۔ قبل ازیں خلفاے راشدین' عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ کی کتب فقہ شائع ہوچکی ہیں۔ حسن بصری (م: ۱۱۰ ہجری) اپنے عہد کے ممتاز فقیہ' محدث اور مفسر تھے۔ لوگ ان کی محبت سے فیض یاب ہوتے اور زیارت سے روحانی آسودگی پاتے۔]

☆ The Zakat Law [قانونِ زکوٰۃ] خالد نذیر' ناشر: عمار پبلی کیشنز' اسلام آباد' فون: ۲۲۵۶۰۹۶۔ صفحات: ۲۶۱۔ قیمت: ۳۰۰ روپے۔[زکوٰۃ اور عشر کیا ہے؟ ۱۹۸۰ء کا زکوٰۃ و عشر آرڈی ننس' اس میں ہونے والی ترامیم۔ مسلم ممالک میں قوانینِ زکوٰۃ۔ نظامِ زکوٰۃ کی اصلاح و بہتری کے لیے تجاویز۔]

مدیر کے نام

سلیم منصور خالد' گوجرانوالہ

پردے کی بحث میں محترمہ رخسانہ جبیں کے مدلل مقالے ''آیاتِ حجاب وستر اور موڈریٹ اسلام'' اور ''رسائل و مسائل'' (فروری ۲۰۰۳ء) میں پروفیسر خورشید احمد صاحب کے متوازن جواب نے دلیل' یکسوئی اور عدل پر مبنی نقطۂ نظر اختیار کرنے کی راہ سجھائی' تاہم مضمون کو ''عالم نسواں'' کے حصے سے منسوب کرنا مناسب دکھائی نہیں دیتا۔ سماجی علوم کی مردانہ' زنانہ تقسیم کو ایک غیر فطری اور غیر محتاط رویہ کہا جاسکتا ہے۔ مقالات کو اپنے موضوع کے اعتبار سے سماجیات' معاشیات' سیاسیات' نفسیات وغیرہ میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ''پردے'' کو عالم نسواں کا مسئلہ قرار دینا درست نہ ہوگا۔ یہ صرف عورتوں کا نہیں بلکہ معاشرے اور تمام مسلمانوں کا مسئلہ ہے۔

ڈاکٹر منصور علی' لاہور

ازراہِ کرم ترجمان القرآن میں قرآنی آیت/ آیات لکھتے وقت اختصار اور جگہ کی کمی کو دل میں جگہ نہ دیں۔ پوری آیت یا آیات لکھا کریں۔ اس کے بے شمار فائدے ہیں۔

شمس الاسلام' پشاور

علامہ یوسف القرضاوی کی تحریر ''انسانی کلوننگ'' (فروری ۲۰۰۳ء) اپنے موضوع پر ایک جامع اور مفید مضمون ہے۔ خدشہ ہے کہ فرائیڈ کے پیروکار ''کلوننگ'' کے نتیجے میں بننے والے انسانوں کو اخلاق اور احترامِ انسانیت کا جنازہ نکالنے کے لیے استعمال کریں گے۔ اس کی فکر کی جانی چاہیے۔

نیر اقبال' لاہور کینٹ

ترجمان القرآن کی تمام تحریروں میں اصلاحی' اخلاقی اور دینی رنگ غالب ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ہر ماہ پرچے کا انتظار رہتا ہے۔ خدا کرے کہ اپنی مقصدیت اور روایات کے ساتھ یہ اِسی طرح روشنی بکھیرتا رہے۔ ''دل کی زندگی: اعمال کا مدار'' (جنوری ۲۰۰۳ء) میں حدیث کی تشریح جس طرح سلیس زبان مگر

عالمانہ انداز میں کی گئی ہے تعریف کی محتاج نہیں۔ ''موڈریٹ اسلام کی تلاش'' (جنوری ۲۰۰۳ء) سے اندازہ ہوا کہ مغرب کی چال بازیاں کتنی منظم ہیں اور ہم کتنے بے خبر! ''تحریک اسلامی سینیگال'' (جنوری ۲۰۰۳ء) پڑھ کر اندازہ ہوا کہ تعلیم کا میدان کتنا اہم ہے مگر ہم اس کو وہ اہمیت نہیں دے رہے جو اس کا تقاضا ہے۔

اے - مراد لعل ' چترال

''موڈریٹ اسلام کی تلاش'' (جنوری ۲۰۰۳ء) میں اغیار کی سازش سے بروقت متنبہ کیا گیا ہے۔ ایف بی آئی کے نام پر معزز شہریوں کو تنگ کر کے چنگیزی دَور کی یاد تازہ ہوگئی۔ اللہ جانے آیندہ یہ کیا کیا گل کھلائے گی۔ شذرات کے ذریعے بروقت گرفت ہوئی۔

مولانا ایاز احمد حقانی ' پشاور

''اشارات'' کے ساتھ شذرات کا اضافہ خوش آیند ہے۔ یہ سلسلہ جاری رکھیں۔ اس سے حکومت کے اقدامات سے آگہی بھی ہوگی اور گرفت اور تنقید بھی۔

راجا محمد ظہور ' ساہیوال

ترجمان کی طرزِ ادا مزید سہل بنانے کی بھی ضرورت ہے تاکہ ایف اے تک کے تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے بھی سمجھنا آسان ہو۔ اب وہ پہلا سا دور تو نہیں۔ علم کی سطح کافی نیچے چلی گئی ہے۔ اس سلسلے میں مدیر کا حق تغیر و تبدل (معنوی نہیں لفظی) تو اپنی جگہ مسلمہ ہے۔

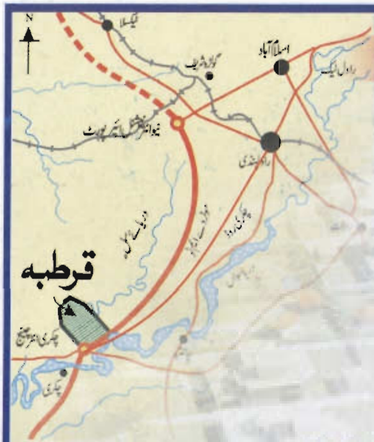
عبدالغفار عزیز ' لاہور

اشارات (فروری ۲۰۰۳ء) میں strategy کا ترجمہ تزویر اور اس سے تزویری کیا گیا ہے۔ عربی اور اُردو میں عام طور پر انگریزی لفظ ہی الاستراتیجیة اور اسٹرے ٹیجی میں بدل جاتا ہے۔ تزویر لفظ زُور سے مشتق ہے۔ قول زور اور زور و بہتان اُردو میں بھی مستعمل ہے۔ تزویر میں بھی یہی معانی پنہاں ہیں۔ تزویر تو خاص طور پر جعل سازی اور دھوکا دہی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ''العملة المزوّرة'' نقلی سکے کو کہا جاتا ہے۔ انتخابات و معاملات میں دھاندلی کے لیے بھی لفظ تزویر عام استعمال ہوتا ہے۔ اسٹرے ٹیجی اور تزویر میں کوئی بھی قدر مشترک دکھائی نہیں دیتی۔ اس تحریر میں تو structural کا ترجمہ بھی تزویری کر دیا گیا ہے۔ structural اور strategical میں فرق تو ظاہر و باہر ہے۔ پھر ان دونوں الفاظ اور تزویر میں بہت نمایاں فرق ہے۔ اگر عربی ترجمہ ہوتا تو structural کے لیے ہیکلی استعمال ہوسکتا تھا۔ اُردو میں ہیئت سے مشتق کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح pluralism کا ترجمہ تکثر کیا گیا۔ میری رائے میں تکثر کے بجائے تعدّد زیادہ بہتر ہوتا۔ تکثر میں بڑھوتری اور تکاثر کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

امن ومحبت اور دین و دانش کی بستی

موٹروے اسلام آباد

قرطبہ



تعارف:

مدینۃ العلم ایک مثالی اسلامی بستی بسانے کا منصوبہ پیش کر رہی ہے۔ جماعت اسلامی پاکستان کے امیر قاضی حسین احمد مدینۃ العلم کے صدر، سید منور حسن مدینۃ العلم کے جنرل سیکرٹری اور ممتاز ذمہ دار افراد گورننگ باڈی کے ارکان ہیں۔

محل وقوع:

زیرو پوائنٹ اسلام آباد سے تقریباً آدھ گھنٹے کی ڈرائیو (50 کلومیٹر) پر موٹروے چکری انٹرچینج پر خوبصورت پہاڑیوں کے دامن میں کھلے اور پُر فضا ماحول میں واقع ہے۔ قرطبہ کے گردونواح میں بستیاں موجود ہیں۔ جو شہری کثافتوں سے پاک لیکن بیشتر شہری سہولتوں سے آراستہ ہیں۔

موجودہ سہولیات:

★ مقامی ٹرانسپورٹ ★ مقامی سکول بوائز اینڈ گرلز ★ داران (Varan) بس سروس
★ چکری سروس ایریا میں شاپنگ سنٹرز ★ پٹرول پمپ ہسپتال، بنک، ڈاکخانہ، سٹیلائیٹ ٹیلی فون ★ پولیس سٹیشن وغیرہ۔

خصوصی سہولیات

★ کشادہ سڑکوں کا نظام ★ کھیل کے میدان ★ مساجد ★ کمیونٹی سنٹرز
★ ابتدائی تعلیمی سہولیات سے یونیورسٹی سطح تک کے تعلیمی ادارے ★ صحت عامہ
★ سیکورٹی انتظامات ★ قبرستان

امتیازی خصوصیات:

• دین وشریعت • فقہ وقانون • تعلیم وتحقیق • صنعت وتجارت
• انفرمیشن ٹیکنالوجی اور جدید علوم وفنون کے مثالی مراکز کا قیام

قیمت پلاٹ:

20,000 کنال پر مشتمل عظیم الشان منصوبہ میں ترقیاتی اخراجات سمیت یکمشت ادائیگی / قسطوں پر پلاٹ حاصل کیجئے۔ خواہشمند حضرات کے اصرار پر سابقہ اور نئے خریداروں کی سہولت کیلئے ادائیگی اقساط کی مدت تین سال کر دی گئی ہے۔ پلاٹ کی قیمت میں کسی اضافے کے بغیر اقساط میں 33.3% کمی کی سہولت حاصل ہوگئی ہے۔

بمعہ ترقیاتی اخراجات

پلاٹ سائز	قیمت پلاٹ	20% ادائیگی بکنگ	گیارہ سہ ماہی قسطیں	آخری قسط
500 گز	500,000 روپے	100,000 روپے	33,400 روپے	32,600 روپے
250 گز	250,000 روپے	50,000 روپے	16,700 روپے	16,300 روپے
125 گز	125,000 روپے	25,000 روپے	8,350 روپے	8,150 روپے

یکمشت ادائیگی کی صورت میں قیمت پر 10 فیصد خصوصی رعایت دی جائے گی۔

طریقہ کار:

درخواست فارم کے ہمراہ شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی اور تین پاسپورٹ سائز تصاویر لگائیں اور چیک / ڈرافٹ کے ساتھ ہمارے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

- ادائیگی کے لئے چیک ڈرافٹ بنام مدینۃ العلم سوسائٹی، پاکستان میں بنک الفلاح لمیٹڈ کی تمام برانچوں (اکاؤنٹ **01122443** برائے پاکستانی روپے) میں سہولت موجود ہے۔
- برائے پاکستانی روپے (Pak Rs.) اکاؤنٹ نمبر: 01122443
- برائے ڈالر (U.S. $) اکاؤنٹ نمبر: 01800375

درخواست فارم بمعہ معلومات بروشر درج ذیل دفاتر کے علاوہ جماعت اسلامی کے دفاتر سے مفت حاصل کیا جا سکتا ہے

مدینۃ العلم

لاہور (ہیڈ آفس)

منصورہ ملتان روڈ لاہور پاکستان
فون: 5419520-4/ 5432391-5 فیکس: 5432194 (92-42)
E-mail: amir@ji.org.pk URL: http://www.jamaat.org

اسلام آباد (پروجیکٹ آفس)

میجر (ر) ابرار اعوان (پروجیکٹ ڈائریکٹر)
فلیٹ نمبر 4، فرسٹ فلور، خیبر پلازہ فضل حق روڈ بلیو ایریا اسلام آباد
فون نمبر 051-2206380-2274563
فیکس 051-2270411
موبائل 0300-9501354

L.R.L 99 Monthly TARJUMAN-UL-QURAN LAHORE Phone: 7587916
Fax: 7585590